ماہنامہ

اشراق

لاہور

جون ۲۰۱۷ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

”نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔“

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ وارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۶ جون ۲۰۱۷ء رمضان المبارک/شوال المکرم ۱۴۳۸ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 30 روپے
سالانہ 300 روپے
رجسٹرڈ 700 روپے
(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر)
بیرون ملک
سالانہ 30 ڈالر

فہرست

شذرات
روزہ — جاوید احمد غامدی — ۴
قرآنیات
البیان: الکہف ۱۸: ۹-۲۶ (۲) — جاوید احمد غامدی — ۷
معارف نبوی
خوش لباسی اور تکبر — جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر — ۱۸
دین و دانش
روزہ اور برکات روزہ — امین احسن اصلاحی — ۳۴
آفات روزہ اور ان کا علاج — ″ — ۴۳
فضائل رمضان — محمد رفیع مفتی — ۴۹
ماہ رمضان: فضائل اور برکتیں — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۲
روزہ اور تزکیۂ نفس — شاہد رضا — ۵۵
سیر و سوانح
حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (۲) — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۷
مقالات
قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۲) — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۶۶

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

جاوید احمد غامدی

روزہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون و چرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

اللہ کی عظمت و جلالت اور اُس کی بزرگی اور کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اُس کی شکرگزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اِسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکرگزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اِس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے جو ہدایت اِس مہینے میں تمھیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے لیے واضح اور قطعی حجتیں ہیں،

اُس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اُس کے شکر گزار بنو۔

اِس کا منتہاے کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر مزید کچھ پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے جو خاص کیفیت اِس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس سے روزے کا اصلی مقصود درجۂ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اُسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اِس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کا مقصد

اِس کا مقصد قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا کا تقویٰ اختیار کر لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات سے ڈرتا رہے کہ اُس نے اگر کبھی اِن حدود کو توڑا تو اِس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اُس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے کا قانون

اِس کا قانون درج ذیل ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ تعلق سے اجتناب ہی روزہ ہے۔

یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہٰذا روزے کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے

پاس جانا بالکل جائز ہے۔

روزوں کے لیے رمضان کا مہینا خاص کیا گیا ہے، اِس لیے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُس پر فرض ہے کہ اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ کر اُس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ تاہم اِس طرح چھوڑے ہوئے روزے بھی بعد میں لازماً پورے کیے جائیں گے۔

روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔

آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔

(الاسلام ۱۰۳-۱۰۶)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"...روزہ اِس احساس کو آدمی کے ذہن میں پوری قوت کے ساتھ بیدار کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ نفس کے چند بنیادی مطالبات پر حرمت کا قفل لگتے ہی یہ احساس بندگی پیدا ہونا شروع ہوتا اور پھر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ اُس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔" (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۹)

قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکھف

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى

کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور رقیم والے[8] ہماری نشانیوں میں سے بہت عجیب نشانی تھے؟[9] اُس وقت جب

۸؎ یہ لوگ اگر وہی ہیں جو مسیحی تاریخ میں سات سونے والے (seven sleepers) کہے جاتے ہیں تو یہ شہر افیسس (Ephesus) کا قصہ ہے جو ترکی کے مغربی ساحل پر واقع زمانۂ قدیم کا ایک مشہور شہر تھا۔ اِس کے عظیم کھنڈر آج بھی وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ شہر بت پرستی کا ایک بڑا مرکز تھا اور یہاں چاند دیوی کی پرستش ہوتی تھی جسے ڈائنا (Diana) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ اُسی کا عظیم الشان مندر تھا جو زمانۂ قدیم کے عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اِس علاقے میں اُس وقت قیصر ڈیسیس (Desius) کی حکومت تھی جو ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک سلطنت روما کا فرماں روا رہا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے پیرو اِسی کے لگ بھگ زمانے میں اپنی دعوت لے کر یہاں پہنچے۔ رومی حکمران خود بھی بت پرست تھا۔ وہ مذہب توحید کی اشاعت کو برداشت نہیں کر سکا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، وہ بالعموم ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔ جن نوجوانوں کا یہ قصہ ہے، وہ شہر کے اعلیٰ گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور غالباً ۲۵۰ء میں کسی وقت ایمان لا کر اِس دعوت کے مبلغ بنے۔ اُنھوں نے یہ دعوت اِس زور کے ساتھ اور علانیہ پیش کی کہ پورا ماحول اُن کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ اُنھیں سنگ سار کر دیا جائے گا۔ اِس پر وہ لوگ شہر

الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی، پھر (اپنے پروردگار سے) دعا کی کہ اے ہمارے رب، ہم کو تو خاص اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے اِس معاملے میں تو ہمارے لیے رہنمائی کا سامان کر دے۔[۱۰]

سے باہر نکل کر ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے۔ عربی زبان میں کہف وسیع غار کو کہتے ہیں، اُنھیں اِسی بنا پر اصحاب الکہف کہا گیا ہے۔

عرب کے اہل کتاب اُنھیں اصحاب الرقیم بھی کہتے تھے۔ رقیم کو مرقوم، یعنی لکھی ہوئی چیز کے معنی میں لے کر بعض اہل علم نے اِس سے اصحاب کہف کے غار کا کتبہ اور بعض نے سیسے کی وہ لوح مراد لی ہے جس پر اُن کے نام اور حالات بادشاہ کے حکم سے لکھ کر شاہی خزانے میں رکھے گئے تھے۔ لیکن لوح یا کتبے کے لیے اِس لفظ کا استعمال عربی زبان میں معروف نہیں ہے، اِس وجہ سے ہمارے نزدیک راجح قول اُنھی لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رقیم اُس عمارت کا نام تھا جو اصحاب کہف کی یادگار میں اُن کے غار پر بنائی گئی تھی اور جس کا ذکر قرآن میں آگے ہوا ہے۔

۹؎ یہ خطاب عام ہے۔ واحد کے صیغے سے خطاب کا یہ اسلوب اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب مخاطبین کے ایک ایک شخص کو فرداً فرداً خطاب کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ آیت سے واضح ہے کہ قریش کو یہ قصہ اہل کتاب سے سن کر سخت تعجب ہوا اور غالباً اُنھی کے ایما سے اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان کی غرض سے اِسے آپ کے سامنے پیش کر دیا کہ دیکھیں آپ اِس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ آگے آیات ۲۲-۲۴ میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ اُن کے سوال کے جواب میں سنایا گیا ہے۔ تاہم قرآن نے اِسے افسانوں کے حجاب سے نکال کر اِس کی اصل صورت میں اِس طرح سنایا ہے کہ سورہ کے مضمون سے پوری طرح ہم آہنگ ہو کر یہ اُس کے انذار و بشارت کا نہایت موثر ذریعہ بن گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تم اِن غار والوں کی سرگذشت کو بہت عجیب سمجھتے ہو۔ خدا نے جو نشانیاں اپنے دین کے علم برداروں کی حفاظت کے لیے ظاہر کی ہیں، یہ بھی اُنھی میں سے ایک نشانی ہے۔ اِس طرح کی نشانیاں پہلے بھی ظاہر ہوتی رہی ہیں اور اِس وقت بھی، اگر خدا نے چاہا تو اُن اہل حق کے لیے ظاہر ہو جائیں گی جنھیں تم تعذیب کا نشانہ بنا رہے ہو۔ یہ خدا کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۱۰؎ یعنی غار میں آتے ہی اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور استقامت کے لیے دست بدعا ہو گئے، اِس لیے کہ جوش حمیت کے ساتھ وہ نور حکمت سے بھی بہرہ یاب تھے اور خوب جانتے تھے کہ اِس طرح کے مراحل میں اہل ایمان کو کیا کرنا

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ
اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾
وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ

اِس پر کئی برس کے لیے ہم نے اُس غار میں اُن کے کانوں پر تھپک دیا[۱۱]۔ پھر ہم نے اُن کو اٹھایا تا کہ دیکھیں[۱۲] کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے اُن کے قیام کی مدت ٹھیک شمار کی ہے[۱۳]۔ ۹-۱۲

ہم اُن کی سرگذشت تمھیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں[۱۴]۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے[۱۵] اور اُن کی ہدایت میں ہم نے افزونی عطا فرمائی[۱۶] اور اُن کے دل اُس وقت مضبوط کر دیے، جب وہ (توحید کی دعوت لے کر) اٹھے اور اعلان کیا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

چاہیے۔

۱۱؎ اصل میں 'فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے جو پیار اور شفقت کے ساتھ کسی کو سلانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اِس کے وجود میں آنے کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ بچوں کو سلانے کے لیے بالعموم اُن کے کانوں پر تھپکتے ہیں۔

۱۲؎ اصل میں 'لِنَعْلَمَ' استعمال ہوا ہے۔ اِس میں 'ل' غایت ونہایت کے مفہوم میں ہے، یعنی تا کہ یہ بات اُس نتیجے تک منتہی ہو جو آگے بیان ہوا ہے اور لوگوں کے لیے یہ واقعہ بعث بعد الموت کی نشانی بن جائے۔

۱۳؎ یعنی وہ خود یا اُس شہر کے لوگ جس سے نکل کر وہ غار میں پناہ گیر ہوئے تھے۔

۱۴؎ اِس سے پہلے قرآن نے اِس سرگذشت کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تا کہ اصل مدعا ابتدا ہی میں نگاہوں کے سامنے آجائے۔ اِس کے بعد اب یہ اُسی اجمال کی تفصیل کی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ یہ 'بِالْحَقِّ'، یعنی پوری صحت کے ساتھ اور اِس کے مقصد کی پوری رعایت کے ساتھ سنائی جائے گی۔

۱۵؎ یعنی خدا کی توحید پر ایمان لائے، اِس لیے کہ شرک کے ساتھ خدا پر ایمان درحقیقت کفر ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾
وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

اُس کے سوا کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے اور اگر ایسا کریں گے تو حق سے نہایت ہٹی ہوئی بات کریں گے۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں کہ اِنھوں نے اُس کے سوا کچھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ اُن کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اُن سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھیں[17]۔ ۱۳-۱۵

(وہ یہی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ لوگ اُن کی جان کے درپے ہو گئے تو بشارت ہوئی کہ) جب تم اُن سے اور اُن کے معبودوں سے، جنھیں وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں، الگ ہو گئے ہو تو (جاؤ اور) فلاں غار میں جا کر پناہ لو۔ تمھارا پروردگار اپنی رحمت کا دامن تمھارے لیے پھیلا دے گا اور تمھارے اِس مرحلے میں جو کچھ تمھاری ضرورت ہے، تم کو مہیا فرمائے گا[18]۔ ۱۶

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''... یہاں 'فِتْيَة' کے لفظ پر نظر رہے۔ قرآن نے اِن لوگوں کا جوانوں کے طبقے سے ہونا ظاہر کر کے وقت کے نوجوانوں، بالخصوص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے نوجوانوں کو توجہ دلا دی کہ وہ اِس سرگذشت سے سبق حاصل کریں اور اُنھی کی طرح دعوت حق کی راہ میں اپنی قوم کی عداوت سے بے پروا ہو کر چل کھڑے ہوں۔ خدا ہر مرحلے میں اُن کا ناصر و مددگار ہوگا۔'' (تدبر قرآن ۴/۵۶۹)

۱۶؎ یہ افزونی کس صورت میں ہوئی؟ آگے 'رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ' کے الفاظ اِسی کو واضح کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے ایمان کی نگہداشت کی جس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو قوت و عزیمت بخشی اور اِس طرح جو ہدایت اُن کو حاصل تھی، اُس میں اضافہ کر دیا۔

۱۷؎ آیت میں 'هٰٓؤُلَآءِ' کا لفظ جس انداز سے استعمال ہوا ہے، پھر حاضر کے بجائے غائب کے صیغے اختیار کیے گئے ہیں، یہ اُن نوجوانوں کی طرف سے اپنی قوم کے عقائد کے لیے ایک قسم کی حقارت کا اظہار ہے۔ یہ حقارت

وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾

تم سورج کو دیکھتے کہ جب نکلتا ہے تو اُن کے غار سے دائیں جانب کو بچا رہتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو اُن سے بائیں جانب کو کترا جاتا ہے اور وہ اُس کے صحن میں پڑے ہیں[19]۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو اللہ (اپنے قانون کے مطابق[20]) گمراہی میں ڈال دے تو اُس کے لیے تم کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔ ۱۷

مذہب توحید پر اُن کے غیر معمولی شرح صدر اور اُس سے اُن کی غیر معمولی وابستگی کو ظاہر کرتی ہے۔

۱۸؎ یہ اُس رہنمائی کا بیان ہے جو اُنھیں اِس مرحلے میں اُن کے پروردگار کی طرف سے حاصل ہوئی اور اُن کے باطن سے ایسا ہوا کہ اب قوم کو چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ اِس طرح کے نازک مرحلوں میں یہ رہنمائی اہل حق کو بالعموم حاصل ہوتی رہی ہے۔ سیدہ مریم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا واقعہ اِس کی مثالیں ہیں۔ یہ ختم نبوت سے پہلے کسی حد تک محسوس صورت میں بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ اِس سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دعوت کے مخالفین جب داعی کی جان لینے کے درپے ہو جائیں تو اہل حق کے لیے یہی ہجرت کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اِس کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو آگے کے لیے زاد و راحلہ اُن کا پروردگار خود فراہم کر دیتا ہے۔

۱۹؎ یعنی خدا نے ایسا غار اُنھیں فراہم کر دیا جس کے اندر ہوا اور روشنی اور حرارت تو برابر پہنچتی تھی، لیکن آفتاب کی تمازت کسی طرح راہ نہیں پاتی تھی۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اُس نے اپنی تدبیر و کارسازی سے اپنے بندوں کے لیے ایک ایسا غار مہیا فرما دیا جہاں بغیر کسی کاوش کے اُن کے لیے ساری ضروریات زندگی فراہم تھیں اور معلوم ہوتا کہ سورج بھی اُن کے پاس سے گزرتا ہے تو ادب و احترام سے گزرتا ہے کہ اُن کی خدمت کی انجام دہی کا شرف تو حاصل ہو، لیکن اُن کے آرام و سکون میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۵۷۱)

۲۰؎ یعنی اپنے اِس قانون کے مطابق کہ گمراہ وہی کیے جاتے ہیں جو اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں گمراہی کے

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ لَوِاطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

وَكَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ

تم اُن کو (دیکھتے تو) سمجھتے کہ جاگ رہے ہیں، حالاں کہ وہ سورہے تھے۔ ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے اور اُن کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔ اگر تمھاری نظر کہیں اُن پر پڑ جاتی تو اُن سے تم الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تمھارے اندر اُن کی دہشت بیٹھ جاتی۔[21] ۱۸

(ہم نے جس طرح اپنی قدرت سے اُنھیں سلایا تھا)، اُسی طرح ہم نے اُن کو جگایا کہ (اِس کے نتیجے میں) وہ آپس میں پوچھ گچھ کریں۔[22] اُن میں سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا: تم یہاں کتنی دیر ٹھیرے ہو گے؟ وہ بولے: ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھیرے ہوں گے۔ بولے: تمھارا پروردگار ہی بہتر جانتا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سزاوار ہو جاتے ہیں۔

۲۱؎ یہ اُس انتظام کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کے لیے فرمایا۔ وہ سلا دیے گئے، اُن کے جسم کی حفاظت کے لیے فرشتے اُنھیں پہلو بدلواتے رہے اور اُن کے گردوپیش ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا کہ دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ پراسرار سے لوگ ہیں؛ شاید چور، ڈاکو، راہب، سنیاسی یا جنات۔ سوئے ہوئے نہیں ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ذرا دم لینے کو لیٹ گئے ہیں اور اُن کا کتا غار کے دہانے پر اِس طرح بیٹھا ہے، گویا پہرا دے رہا ہے۔

۲۲؎ سیدنا مسیح کے جن پیرووں کا ذکر پیچھے ہوا ہے، وہ ۲۵۰ء میں کسی وقت اپنے شہر افیسس سے نکل کر غار میں گئے تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُس وقت اِس علاقے میں بت پرست بادشاہ ڈیسیس کی حکومت تھی۔ یہ لوگ کم و بیش ۱۹۶ سال سوتے رہے اور قیصر تھیوڈوسیس ثانی (Theodosius ii) کی سلطنت کے اڑتیسویں سال ۴۴۶ء یا ۴۴۷ء میں بیدار ہوئے۔ اِس عرصے میں مسیحی مبلغین کی کوششوں سے رومی شہنشاہ قسطنطین (۳۳۷ء-

اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

ہے کہ تم کتنی دیر ٹھیرے ہو۔[۲۳] خیر، اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ رقم[۲۴] دے کر شہر بھیجو، پھر وہ اچھی طرح دیکھے کہ پاکیزہ کھانا شہر کے کس حصے میں ملتا ہے[۲۵] اور اُس سے تمھارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔ اُسے چاہیے کہ وہ چپکے سے جائے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے۔ اِس لیے کہ اگر وہ تمھاری خبر پا جائیں گے تو تمھیں سنگ سار کر دیں گے یا اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔[۲۶] ۱۹-۲۰

۲۷۲ء) مسیحی ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں ساری رومی سلطنت میں مسیح علیہ السلام کا مذہب پھیل گیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ بیدار ہوئے تو ہر طرف مسیحیت کا غلبہ تھا۔

۲۳؎ یعنی بالکل وہی صورت پیدا ہوگئی جو برزخ کی زندگی سے اٹھنے کے بعد ہوگی۔

۲۴؎ اصل میں لفظ 'وَرِق' آیا ہے۔ اِس کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہ چونکہ اُس زمانے میں مسکوک اور غیر مسکوک، دونوں صورتوں میں خرید و فروخت کے لیے استعمال ہوتی تھی، اِس لیے ہم نے اِس کے لیے 'رقم' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۲۵؎ اصل میں لفظ 'اَيُّهَا' آیا ہے، یعنی 'أي أطراف المدينة' یا 'أي نواحي المدينة' اور پاکیزہ کھانے سے حلال و طیب کھانا مراد ہے۔ اُنھوں نے یہ بات اِس لیے کہی کہ جس ماحول سے نکل کر وہ گئے تھے، اُس میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ تھی، لہٰذا اِس طرح کا کھانا کسی ایسے علاقے ہی سے مل سکتا تھا جہاں اِس طرح کی تمیز کرنے والے بستے ہوں۔

۲۶؎ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نوجوان اپنا شہر چھوڑ کر غار میں پناہ لینے کے لیے کیوں مجبور ہوئے اور جس ظلم و تشدد کے اندیشے سے یہ گھر سے نکلے، وہ کس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ آیت ۱۶ کے ترجمے میں اِسی بنا پر ہم نے واضح کر دیا ہے کہ ہجرت کا اشارہ اُس وقت ہوا، جب لوگ اِن کی جان کے درپے ہو گئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ
فِيْهَا اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ

ہم نے اِسی طرح (اپنی قدرت سے) لوگوں کو اُن پر مطلع کر دیا[۲۷] تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے[۲۸]۔ ذرا خیال کرو، جب اُن کے معاملے میں لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے[۲۹] تو کچھ لوگوں نے کہا: اِن کے غار پر ایک عمارت بنا دو (اور زیادہ تفتیش نہ کرو)،

۲۷؎ یعنی ایسے حالات پیدا کر دیے کہ لوگ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں کسی کو شبہ نہیں رہا کہ یہ اِس زمانے کے لوگ نہیں ہیں۔ اوپر جس مسیحی روایت کا ذکر ہوا ہے، اُس میں یہ واقعہ اِس طرح بیان ہوا ہے کہ جس شخص کو کھانا خریدنے کے لیے شہر بھیجا گیا تھا، اُس نے جب قیصر ڈیسیس کے وقت کا سکہ کھانا خریدنے کے لیے پیش کیا تو دوکان دار کو شبہ ہوا کہ شاید یہ کسی پرانے زمانے کا دفینہ نکال لایا ہے۔ اِس پر دونوں میں تکرار ہونے لگی تو لوگ جمع ہو گئے، حتیٰ کہ معاملہ حکام تک پہنچ گیا۔ وہاں جب سوالات ہوئے اور اُس شخص نے یہ سنا کہ قیصر ڈیسیس کو مرے زمانہ گزر چکا ہے تو وہ دنگ رہ گیا۔ چنانچہ کچھ دیر تک بالکل دم بخود رہا اور پھر اپنی داستان سنا دی۔ اُسے سن کر حکام بھی حیران ہوئے اور اُس کو لے کر اُس غار کی طرف چلے جہاں وہ اور اُس کے ساتھی چھپے رہے تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر یہ بات پوری طرح تحقیق ہو گئی کہ وہ فی الواقع قیصر ڈیسیس کے زمانے کے لوگ ہیں۔ نئے رومی حکمران قیصر تھیوڈوسیس کو اِس کی اطلاع دی گئی۔ وہ پیدل چل کر آیا اور آ کر اُن سے برکت لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس کے بعد یہ ساتوں نوجوان غار میں جا کر لیٹے اور یکا یک وفات پا گئے۔

۲۸؎ یہ واقعہ اگر اُسی دور کا ہے جس کا ذکر روایتوں میں ہوا ہے، تو اِس حسی دلیل کی ضرورت غالباً اِس لیے پیش آئی کہ اُس زمانے میں مسیحی دعوت یونان کے فلسفے اور رومی شرک و بت پرستی کی روایت سے نبرد آزما تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ نشانی دکھائی تا کہ زندگی بعد موت کے معاملے میں عقلی دلائل کے ساتھ یہ حسی دلیل بھی پیش کر دی جائے۔ اِس سے مقصود یہ تھا کہ نئے نئے جو لوگ ہزاروں کی تعداد میں مسیحی ہوئے ہیں، اُن کے لیے دین کا یہ بنیادی عقیدہ فلسفیانہ موشگافیوں کا موضوع بن کر نہ رہ جائے۔ بائیبل اور قرآن، دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت میں اِس طرح کے حسی دلائل اِس سے پہلے بھی وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے ہیں۔

۲۹؎ یعنی اِس معاملے میں جھگڑ رہے تھے کہ کون سا گروہ یا فرقہ اُن سے نسبت کا زیادہ حق دار ہے اور اُن کے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

اِن کا پروردگار اِن کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔[30] (اِس کے برخلاف) جن لوگوں کی راے اُن کے معاملے میں غالب رہی، اُنھوں نے کہا: ہم تو اِن کے غار پر ایک مسجد بنائیں گے۔[31] ۲۱

اب یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا اُن کا کتا تھا اور (اِن میں سے) کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا اُن کا کتا تھا، بالکل اٹکل پچو! اور کچھ کہیں گے کہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ کہہ دو، میرا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے۔ اُن کو تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔ چنانچہ، (اے پیغمبر)، تم اُن کے بارے میں بحث نہ کرو، الّا یہ کہ ٹالنے کے لیے کچھ کہنا پڑے اور نہ اُن کے متعلق اُن میں سے

ساتھ کیا کیا جائے، اِس کے لیے کس کی راے مانی جانی چاہیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...اہل حق کے ساتھ اِس ظالم دنیا نے ہمیشہ یہی معاملہ کیا ہے۔ زندگی میں تو اُن کو لوگوں کے پتھر کھانے پڑے، لیکن مرنے کے بعد اُن کے بت پوجے گئے۔ اِن لوگوں کے ساتھ بھی مرنے کے بعد یہی ہوا کہ مختلف گروہ اور فرقے اُن کے ساتھ قرب کے مدعی بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔" (تدبر قرآن ۴/ ۵۷۵)

۳۰؎ یہ بات اُنھوں نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے کہی کہ غار والوں کے عقائد و نظریات اور مقام و مرتبے کو بحث و نزاع کا موضوع نہ بنایا جائے، بلکہ معاملہ خدا کے سپرد کر دیا جائے اور اُن کے غار پر ایک عام عمارت بنا دی جائے جس سے یہ جگہ محفوظ ہو جائے۔ آیت میں 'رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ' کے جو الفاظ آئے ہیں، اُن میں ایک مضاف عربیت کی رو سے محذوف ہے، یعنی 'أعلم بأحوالهم'۔

۳۱؎ یعنی خدا کی عبادت گاہ بنائیں گے، اِس لیے کہ یہ لوگ تنہا اُسی کے ماننے والے تھے، اُسی کی خاطر غار میں آ کر چھپے تھے اور اُسی نے یہ عظیم الشان نشانی اِن کے ذریعے سے دکھائی ہے۔ اِس کے لیے اصل میں 'عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اِن میں بھی ایک مضاف ہمارے نزدیک محذوف ہے، یعنی 'علٰی کهفهم'۔ یہی صورت

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡیۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَاذۡکُرۡ رَّبَّكَ
اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

کسی سے پوچھو۔[۳۲] ـــــ اور (دیکھو)، کسی معاملے کے لیے یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کردوں گا۔ ہاں، اِس صورت میں کہ اللہ چاہے۔[۳۳] اور جب تم بھول جاؤ تو فوراً اپنے پروردگار کو یاد کرو اور کہو، امید ہے کہ میرا پروردگار اِس سے بھی کم مدت میں صحیح بات کی طرف میری رہنمائی فرما دے گا۔[۳۴] ۲۲-۲۴

'اَبۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ بُنۡیَانًا' میں بھی ہے۔ صالحین کا عام طریقہ یہی رہا ہے کہ اگر کسی کی یادگار بنائی جائے تو مسجد ہی کی صورت میں بنائی جائے تا کہ جو لوگ وہاں آئیں، وہ خدا کو یاد کریں اور اُسی کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔

۳۲؎ مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ جس پہلو سے سنا دیا گیا ہے، یہ اُس سے آخرت کا یقین حاصل کرنے کے بجاے اِس طرح کی بحثوں میں الجھیں گے کہ وہ کتنے تھے اور کتنے برس غار میں سوئے رہے۔ تم کو بھی یہ اِنھی بحثوں میں الجھانے کی کوشش کریں گے، لیکن تم ہرگز نہ الجھنا، بلکہ اجمالی جواب دے کر گزر جانا۔ تمھارے پروردگار نے بھی اِس طرح کی چیزوں سے اِسی لیے گریز کیا ہے کہ اِن کے شوق فضول کو اِس سے کوئی غذا نہ ملے اور وہی بات سامنے رہے جو اِس قصے کا اصلی سبق ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۳؎ یعنی جب تمھارے امتحان کی غرض سے اِس طرح کی باتیں پوچھی جائیں کہ اصحاب کہف کون تھے اور اُن کا کیا قصہ ہے، تو اپنی طرف سے کوئی وعدہ نہ کیا کرو۔ یہ ممکن ہے کہ کسی سوال کے متعلق خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اُس کا جواب نہ دیا جائے یا جواب تو دیا جائے، مگر فوراً نہ دیا جائے۔ اِس لیے وحی کے بھروسے پر کوئی غیر مشروط وعدہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر وعدہ خدا کی مشیت کی شرط کے ساتھ کرنا چاہیے۔

۳۴؎ یعنی بے خیالی میں ایسی کوئی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً متنبہ ہو کر خدا کو یاد کرو اور جن سے وعدہ ہوا ہے، اُن کو بھی بتا دو کہ فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اِس معاملے کو مؤخر بھی کر سکتا ہے اور چاہے تو جس کا وعدہ میں نے کیا ہے، اُس سے بھی کم مدت میں صحیح بات کی طرف میری رہنمائی کر سکتا ہے۔ یہ سب اُسی کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جو چاہے گا، کرے گا۔ میں نہ غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ ایسا خود مختار ہوں کہ اپنی دعوت کی مصلحت کے لیے جو چاہوں، کر سکوں۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

(اِسی طرح کہیں گے کہ) وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو سال اُس پر مزید بھی۔[۳۵] کہہ دو، اُن کے رہنے کی مدت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ زمین اور آسمانوں کا غیب اُسی کے علم میں ہے۔[۳۶] کیا ہی خوب ہے وہ دیکھنے اور سننے والا۔ اُس کے سوا اُن کا کوئی کارساز نہیں ہے اور اپنے اختیار میں وہ کسی کو شریک بھی نہیں کرتا۔[۳۷] ۲۵-۲۶

۳۵؎ اِس جملے کی ابتدا میں حرف عطف اور اِس کے بعد 'قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا' کا فقرہ اِس کا واضح قرینہ ہے کہ یہ بھی اُنھی لوگوں کے اقوال میں سے ایک قول ہے جن کا ذکر پیچھے ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اُن کی تعداد کے بارے میں یہ لوگ قیاس آرائیاں کریں گے، اُسی طرح غار میں اُن کی مدت قیام کے بارے میں بھی دعویٰ کریں گے کہ وہ تین سو نو سال اُس میں سوئے رہے۔

۳۶؎ اِس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دعوے کی تصدیق نہیں کی، بلکہ اُسے بے بنیاد قرار دیا ہے۔ دور حاضر میں علم تاریخ کے محققین بھی اِسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسیحی روایتوں میں جن اصحاب کہف کا ذکر ہے، اُن کے غار میں رہنے کی مدت تین سو نو سال نہیں، بلکہ تقریباً ۱۹۶ سال تھی۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ وہ اگر کسی انسان کا کلام ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک ایسی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا جو لوگوں میں شہرت پا چکی تھی۔

۳۷؎ پچھلے جملے میں بات اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم تک پہنچ گئی تھی۔ یہ قرآن نے اُسی کو آگے بڑھا کر تمام مشرکانہ تصورات کی نفی کر دی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد عامر گزدر

خوش لباسی اور تکبر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۱ ——

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[1] "اِلْبَسُوْا، فِيْ غَيْرِ مَخِيْلَةٍ وَّلَا سَرَفٍ،[2] إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُرٰى نِعْمَتُهُ عَلٰى عَبْدِهِ".

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا لباس پہنو، مگر اُس میں تکبر یا اسراف نہیں ہونا چاہیے، اِس لیے کہ اللہ اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس نے جو نعمت اپنے بندے کو دی ہے، وہ اُس پر نظر بھی آئے۔[1]

۱۔ مطلب یہ ہے کہ لباس، رہن سہن، دفتر، مکان، ہر چیز میں اُس رفاہیت اور خوش حالی کی جھلک ہو سکتی ہے، بلکہ ہونی چاہیے جس سے اللہ نے اپنے کسی بندے کو نوازا ہے۔ صوفیانہ مذاہب کے برخلاف دین حق میں اِسی طرز عمل کو پسند کیا گیا ہے، لیکن تکبر یا اسراف کے ساتھ نہیں، بلکہ خدا کے متواضع اور عاجز بندوں کے طریقے پر جو اُس کی گرفت سے ڈرتے اور غریبوں کے لیے سراپا شفقت رہتے ہیں۔ سورۂ اعراف کی آیات ۳۱-۳۲ میں قرآن نے اپنا یہ

نقطۂ نظر پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اُسی پر مبنی ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۶۷۰۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ اِس کے علاوہ یہ تعبیر کے کچھ فرق کے ساتھ جن مصادر میں نقل ہوئی ہے، وہ یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۴۸۷۷۔ مسند احمد، رقم ۶۶۹۵۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۶۰۵۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۵۵۹۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۳۵۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۱۸۸۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۴۸۷۷ میں یہاں 'مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ وَلَا مَخِيلَةٌ' ''جب تک اُس میں اسراف اور تکبر نہ درآئے'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۶۰۵ میں 'مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ، أَوْ مَخِيلَةٌ' ''جب تک اُس میں اسراف یا تکبر کی آمیزش نہ ہو'' کی تعبیر منقول ہے، جب کہ بعض روایات، مثلاً السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۵۵۹ میں 'فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ، وَلَا مَخِيلَةٍ' ''اُس میں اسراف اور تکبر نہیں ہونا چاہیے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

— ۲ —

عَنْ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ الْجُشَمِيِّ، قَالَ[۱]: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا قَشِفُ الْهَيْئَةِ،[۲] فَقَالَ: "هَلْ لَكَ [مِنْ[۳]] مَالٍ؟"[۴] قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟"[۵] قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ مِنَ الْإِبِلِ وَالرَّقِيْقِ وَالْخَيْلِ وَالْغَنَمِ، فَقَالَ: "إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا[۶] فَلْيُرَ عَلَيْكَ [أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ[۷]]".[۸]

مالک بن نضلہ جشمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سخت بد حال تھا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: کیا تمھارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کیا مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر طرح کا مال ہے، اونٹ بھی ہیں، غلام بھی،

گھوڑے بھی اور بھیڑ بکریاں بھی۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اُس کی اِس نعمت اور عنایت کا اثر تم پر نظر بھی آنا چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۵۸۸۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس واقعے کے باقی طرق الفاظ واسلوب کے کچھ فرق کے ساتھ جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: جامع معمر بن راشد، رقم ۲۰۵۱۳۔ مسند طیالسی، رقم ۱۳۹۹۔ مسند احمد، رقم ۱۵۸۸۷، ۱۵۸۸۹، ۱۵۸۹۱، ۱۵۸۹۲، ۱۷۲۲۹، ۱۷۲۳۰، ۱۷۲۳۱۔ سنن ابی داود، رقم ۴۰۶۳۔ سنن ترمذی، رقم ۲۰۰۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۴۸۴، ۹۴۸۵، ۹۴۸۶۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۲۲۳، ۵۲۲۴، ۵۲۹۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۴۱۶، ۵۴۱۷۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۱۷۰۲، ۳۶۵۳۔ المعجم الصغیر، طبرانی، رقم ۴۸۹۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۲۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۶۵۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۹۷۱۰۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۴۲۴۹، ۵۷۸۷، ۱۹۷۷۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۔ بعض طرق، مثلاً سنن ابی داود، رقم ۴۰۶۳ میں یہاں یہ الفاظ منقول ہیں: ’أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَوْبٍ دُوْنٍ‘۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۵۸۸۷ میں ہے: ’رَآنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ أَطْمَارٌ‘۔ بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۷۲۳۱ میں یہاں یہ الفاظ ہیں: ’فَرَآنِيْ رَثَّ الثِّيَابِ‘۔ بعض روایات، مثلاً السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۲۹۴ میں ہے: ’فَرَآنِيْ سَيِّءَ الْهَيْئَةِ‘۔ یہ سب کم وبیش ایک ہی معنی کی تعبیرات ہیں۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۱۵۸۸۹۔

۴۔ مسند احمد، رقم ۱۵۸۹۲ میں آپ کا یہ سوال اِس اسلوب میں منقول ہے: ’أَمَا لَكَ مَالٌ؟‘ ’’کیا تم صاحب مال نہیں ہو؟‘‘۔

۵۔ مسند احمد، رقم ۱۵۸۹۱ میں یہاں ’فَمَا مَالُكَ؟‘ ’’تو تمھارے پاس کیا مال ہے؟‘‘ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۶۔ مسند احمد، رقم ۱۵۸۸۹ میں یہاں ’مَالًا‘ کے بجائے ’خَيْرًا‘ کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں مال کے لیے یہ لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۲۲۴۔

۸۔ بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۵۸۹۲ میں یہاں آپ کا آخری ارشاد ان الفاظ میں روایت ہوا ہے: 'فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، إِذَا أَنْعَمَ عَلٰى عَبْدٍ نِعْمَةً أَحَبَّ أَنْ تُرٰى عَلَيْهِ ''اللہ تعالیٰ جب بندے کو کسی نعمت سے نوازتا ہے تو اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ نعمت اُس پر نظر بھی آئے''۔

—— ۳ ——

حَدَّثَ أَبُوْ رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ قَالَ:[1] خَرَجَ عَلَيْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَعَلَيْهِ مِطْرَفٌ مِنْ خَزٍّ لَمْ نَرَهُ عَلَيْهِ قَبْلَ ذٰلِكَ وَلَا بَعْدَهُ، [فقلنا: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَلْبَسُ هٰذَا؟[2]]، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً، فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى خَلْقِهِ".[3]

ابو رجا عطاردی نے بیان کیا ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے تو اُنھوں نے بڑے بڑے نقش و نگار والی ریشم کی چادر پہنی ہوئی تھی۔ اِس طرح کی چادر نہ ہم نے اِس سے پہلے کبھی اُنھیں پہنے ہوئے دیکھا تھا، نہ بعد میں کبھی دیکھا۔ ہم نے کہا: اے صحابی رسول، آپ یہ چادر پہنتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ نے جس کو کوئی نعمت دی ہو، اُسے استعمال کرنی چاہیے، اِس لیے کہ اللہ اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس کی نعمت کا اثر اُس کی مخلوق پر نظر بھی آئے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۹۹۳۴ سے لیا گیا ہے۔ تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق

جن مصادر میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند رویانی، رقم ۹۱۔ المعجم الکبیر طبرانی، رقم ۲۸۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۶۰۹۳۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۵۷۸۹۔

اِس مضمون کے شواہد عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سنن ترمذی، رقم ۲۸۱۹ میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اخبار اصبہان، ابو نعیم، رقم ۲۰۲ میں اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مسند شہاب، قضاعی، رقم ۱۰۹۹ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۶۰۹۳۔

۳۔ مسند رویانی، رقم ۹۱ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہی سے آپ کا یہ ارشاد اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے: 'إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَنْعَمَ عَلٰى قَوْمٍ أَحَبَّ أَنْ يَرٰى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِمْ'' ''اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو نعمت سے نوازتا ہے تو اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس کی نعمت کا اثر اُن پر نظر بھی آئے''۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۴ ——

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: لَمَّا خَرَجَتِ الْحَرُوْرِيَّةُ اجْتَمَعُوْا فِيْ دَارٍ، وَهُمْ سِتَّةُ آلَافٍ، أَتَيْتُ عَلِيًّا، فَقُلْتُ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَبْرِدْ بِالظُّهْرِ، لَعَلِّيْ آتِيْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَأُكَلِّمُهُمْ. قَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكَ. قُلْتُ: كَلَّا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ، وَلَبِسْتُ أَحْسَنَ مَا يَكُوْنُ مِنْ حُلَلِ الْيَمَنِ، قَالَ أَبُوْ زُمَيْلٍ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ جَمِيْلًا جَهِيْرًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأَتَيْتُهُمْ، وَهُمْ مُجْتَمِعُوْنَ فِيْ دَارِهِمْ قَائِلُوْنَ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوْا: مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! فَمَا هٰذِهِ الْحُلَّةُ؟ قَالَ: قُلْتُ: مَا تَعِيْبُوْنَ عَلَيَّ، لَقَدْ رَأَيْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْحُلَلِ، وَنَزَلَتْ: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ الآية [الأعراف: ٣٢].

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حروریہ[1] نے خروج کیا تو وہ سب ایک احاطے میں

جمع تھے۔اُن کی تعداد اُس وقت چھ ہزار تھی۔میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کیا: امیر المومنین، ظہر کی نماز ذرا ٹھنڈے وقت میں پڑھ لیجیے گا تاکہ میں اِن لوگوں کے پاس جاؤں اور اِن سے بات کروں۔آپ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔میں نے کہا: ہرگز نہیں۔ابن عباس کا بیان ہے کہ وہاں سے نکل کر میں اُن کی طرف گیا تو میں نے یمن کا بہترین لباس پہنا ہوا تھا۔ابوزمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بڑے خوب صورت اور وجیہ آدمی تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ چنانچہ میں اُن کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اُس احاطے میں جمع ہوکر قیلولہ کر رہے تھے۔میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے میرا خیر مقدم کیا اور چھوٹتے ہی پوچھا: یہ شان دار لباس؟ میں نے کہا: مجھ پر کیا طعن کر رہے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین سے بہترین لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے اور قرآن میں بھی نازل ہو چکا ہے کہ اِن سے پوچھو، (اے پیغمبر)، اللہ کی اُس زینت کو کس نے حرام کر دیا جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی تھی اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے ممنوع ٹھیرایا ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ا۔اِس سے خوارج مراد ہیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے موقع پر وہ پہلی مرتبہ کوفہ کے قریب ایک بستی 'حروراء' میں جمع ہوئے تھے۔اُن کے لیے یہ لفظ اِسی مناسبت سے استعمال ہوتا ہے۔

متن کے حواشی

ا۔ اِس روایت کا متن مستدرک حاکم، رقم ۲۶۵۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِسے اِن مصادر میں بھی دیکھ لیا جا سکتا ہے: سنن ابی داود، رقم ۴۰۳۷۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۶۷۴۰۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبد البر، رقم ۱۸۳۴۔

۵

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:ا ”لَا يَدْخُلُ

الْجنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ". قَالَ رَجُلٌ:[2] [يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ[3]]، إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا، وَنَعْلُهُ حَسَنَةً،[4] قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ".[5]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ ایک شخص نے یہ سنا تو پوچھا: یارسول اللہ، آدمی پسند کرتا ہے کہ اُس کا لباس اچھا ہو، اُس کا جوتا اچھا ہو؟ آپ نے فرمایا: اللہ سراسر حسن ہے اور حسن و خوب صورتی کو پسند کرتا ہے، (اِن میں سے کوئی چیز بھی تکبر نہیں ہے)، تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔[1]

ا۔ تکبر کی حقیقت اپنی بڑائی کا احساس ہے۔ یہ حد سے بڑھ جائے تو اِس کا ظہور اصلاً اِنھی دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ وضع قطع اور طرز عمل کے دوسرے تمام متکبرانہ رویے آگے پھر اِنھی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

ا۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۹۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس متن کے دوسرے طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: سنن ترمذی، رقم ۱۹۹۹۔ توحید، ابن خزیمہ، رقم ۶۰۹۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۸۵۔ مساوی الاخلاق، خرائطی، رقم ۵۶۰۔ مسند شاشی، رقم ۳۲۷۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۴۶۶۔ کتاب الایمان، ابن مندہ، رقم ۵۴۰۔ کتاب التوحید، ابن مندہ، رقم ۲۴۰۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۳۶۵۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۵۷۸۲۔

۲۔ یہ شخص کون تھا؟ اِس کی تعیین میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ قاضی عیاض اور امام نووی کی رائے میں اِس سے مراد مالک بن مُرارہ رَہاوی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اگلی روایت میں آ رہا ہے۔ حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ اِس سے مراد سَواد بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جن کے اپنے ایک واقعے کی تخریج

اگلے متن کے حواشی میں دیکھ لی جا سکتی ہے۔ اِس باب میں شارحین کے کچھ اور اقوال بھی مذکور ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: أبو الفضل عياض بن موسٰی بن اليحصبي، **إكمَال المعلم بفوائد مسلم**، تحقيق: الدكتور يَحْيٰى إِسْمَاعِيل، (مصر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، ط ١، ١٤١٩هـ/١٩٩٨م)، ج۱،ص۳۵۹،رقم ۱۴۷۔ وأبو زكريا محيى الدين يحيى بن شرف النووي، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج**، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط ٢، ١٣٩٢هـ)، ج۲،ص۹۲،رقم ۱۴۷۔ وأحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، (بيروت: دار المعرفة، د.ط، ١٣٧٩هـ)، ج۱۰،ص۲۶۰،رقم ۵۷۸۸۔

۳۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۸۵۔

۴۔ بعض طرق، مثلاً سنن ترمذی، رقم ۱۹۹۹ میں اِس شخص کا یہ جملہ متکلم کے صیغے میں اور اِس طرح روایت ہوا ہے: 'إِنَّهُ يُعْجِبُنِي أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبِيْ حَسَنًا، وَنَعْلِيْ حَسَنَةً' ''مجھے یہ چیز خوش آتی ہے کہ میرا لباس اچھا ہو، میرا جوتا اچھا ہو''۔

۵۔ بعض طرق، مثلاً مسند شاشی، رقم ۳۲۷ میں اِس شخص کا یہ سوال اور آپ کا جواب اِن الفاظ میں منقول ہے: 'إِنِّيْ رَجُلٌ أُحِبُّ الْجَمَالَ حَتّٰى فِيْ عَلَاقَةِ سَوْطِيْ وَشِرَاكِ نَعْلِيْ؟ قَالَ: لَيْسَ الْكِبْرُ ذَاكَ، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ أَوْ غَمَطَ النَّاسَ' ''میں ایک ایسا شخص ہوں جسے خوب صورتی اِس درجے محبوب ہے کہ چابک لٹکانے کے فیتے اور جوتوں کے تسمے میں بھی میں اِس کا خیال رکھتا ہوں، (یا رسول اللہ، کیا یہ تکبر ہے؟)۔ آپ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کے مقابلے میں جہالت دکھائے اور دوسروں کو حقیر سمجھے''۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ـــ ۶ ـــ

قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ:[1] كُنْتُ لَا أُحْبَسُ[2] عَنْ ثَلَاثٍ:[3] عَنِ النَّجْوٰى، عَنْ كَذَا، وَعَنْ كَذَا، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ، وَعِنْدَهُ مَالِكُ بْنُ مُرَارَةَ الرَّهَاوِيُّ، قَالَ: فَأَدْرَكْتُ مِنْ آخِرِ حَدِيْثِهِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ رَجُلٌ قَدْ قُسِمَ لِيْ مِنَ الْجَمَالِ مَا تَرٰى، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ فَضَلَنِيْ بِشِرَاكَيْنِ، فَمَا فَوْقَهُمَا، أَفَلَيْسَ

ذٰلِكَ هُوَ الْبَغْيَ؟ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "لَيْسَ ذٰلِكَ بِالْبَغْيِ، وَلٰكِنَّ الْبَغْيَ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ، أَوْ بَطِرَ الْحَقَّ، وَغَمَطَ النَّاسَ".

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے تین چیزوں سے روکا نہیں جاتا تھا: سرگوشی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آنے سے اور فلاں اور فلاں چیز سے۔ چنانچہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مالک بن مرارہ رہاوی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پہنچا تو اپنی بات کے آخر میں وہ کہہ رہے تھے: یا رسول اللہ، میں وہ شخص ہوں کہ اللہ نے جو حسن و جمال مجھے عطا فرمایا ہے، وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں، لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اِس میں مجھ سے دو چار تسمے بھی آگے بڑھے تو کیا یہی تکبر اور سرکشی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ تکبر نہیں ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کے مقابلے میں جہالت دکھائے یا فرمایا کہ سرکشی اختیار کر لے اور دوسروں کو حقیر سمجھے[1]۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سوال کے لحاظ سے ہے، ورنہ مالک بن مرارہ نے اپنا جو رویہ بیان کیا ہے، وہ بھی بظاہر کچھ مستحسن معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم آپ نے اُس پر کوئی تبصرہ کرنا اِس موقع پر پسند نہیں فرمایا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۴۰۵۸ سے لیا گیا ہے۔ متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۳۶۴۴۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۲۹۱۔ مسند شاشی، رقم ۸۴۹۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۳۶۷۔

اِس کے شواہد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سواد بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس کے جو طرق روایت ہوئے ہیں، اُن کے مراجع یہ ہیں: الادب المفرد، بخاری، رقم ۵۵۶۔ سنن ابی داود، رقم ۴۰۹۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۴۶۷۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۵۷۸۳، جب کہ سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ خود بیان کیا ہے۔ اُس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھے جا سکتے ہیں: کتاب الزہد، ہنّاد، رقم ۸۲۷۔ المعجم الکبیر،

طبرانی، رقم ۶۴۷۷، ۶۴۷۹۔ معرفۃ الصحابہ، ابونعیم، رقم ۳۵۵۶۔

۲۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۳۶۴۴ میں یہاں 'أُحبسُ' کے بجائے 'أُحجبُ' کا لفظ آیا ہے۔ دونوں کا مدعا ایک ہی ہے۔

۳۔ یہاں اِس طریق کے ایک راوی عبداللہ بن عون مزنی کہتے ہیں کہ ان تین باتوں میں سے ایک میرے شیخ عمرو بن سعید بھول گئے تھے اور ایک میں بھول گیا ہوں۔ چنانچہ ان میں سے یہی ایک بات محفوظ رہ سکی ہے۔ ابن عون کے الفاظ یہ ہیں: 'قَالَ ابنُ عَونٍ: فَنَسِيَ عَمرٌو وَاحِدَةً، وَنَسِيتُ أَنَا أُخرٰی، وَبَقِيَتْ هٰذِهِ'۔

—— ۷ ——

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: [قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ:][1][2] "أَنْهَاكَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ"، قَالَ: قُلْتُ أَوْ قِيلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هٰذَا الشِّرْكُ قَدْ عَرَفْنَاهُ، فَمَا الْكِبْرُ؟ قَالَ: الْكِبْرُ أَنْ يَّكُوْنَ لِأَحَدِنَا نَعْلَانِ حَسَنَتَانِ لَهُمَا شِرَاكَانِ حَسَنَانِ؟ قَالَ: "لَا"، قَالَ: هُوَ أَنْ يَّكُوْنَ لِأَحَدِنَا حُلَّةٌ يَلْبَسُهَا؟ قَالَ: "لَا"، قَالَ: الْكِبْرُ هُوَ أَنْ يَّكُوْنَ لِأَحَدِنَا دَابَّةٌ يَرْكَبُهَا؟ قَالَ: "لَا"، قَالَ: أَفَهُوَ أَنْ يَّكُوْنَ لِأَحَدِنَا أَصْحَابٌ يَجْلِسُوْنَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: "لَا"، قِيلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَمَا الْكِبْرُ؟ قَالَ: "سَفَهُ الْحَقِّ، وَغَمْصُ النَّاسِ".

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بدو سے کہا کہ میں تجھے شرک سے اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور نے عرض کیا: یارسول اللہ، یہ شرک تو ہم سمجھ گئے، لیکن تکبر کیا ہے؟ کیا یہ تکبر ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس اچھے جوتے ہوں جن کے خوب صورت تسمے ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: کیا یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس نیا جوڑا ہو جسے وہ زیب تن کرے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: پھر کیا تکبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی

کے پاس کوئی عمدہ جانور ہو جس پر وہ سواری کرے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: پھر کیا یہ ہے کہ اُس کے دوست ہوں جن کے ساتھ وہ مجلس آرائی کرے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ پوچھا گیا: پھر تکبر کیا ہے، یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: حق کے مقابلے میں جہالت دکھانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۶۵۸۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔ اِس طریق کے علاوہ اِس کو الادب المفرد، بخاری، رقم ۵۴۸ میں بھی دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

مستدرک حاکم، رقم ۷۰ میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ اِس طرح بیان کرتے ہیں: 'قُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ! أَمِنَ الْکِبْرِ أَنْ أَلْبَسَ الْحُلَّةَ الْحَسَنَةَ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ"' ''میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا یہ تکبر ہے کہ میں عمدہ لباس پہنوں؟ آپ نے فرمایا: اللہ سراسر حسن ہے اور حسن و خوب صورتی کو پسند کرتا ہے، (یہ تکبر نہیں ہے)''۔

۲۔ اِس روایت کی ابتدا اِس واقعے کے بیان سے ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک بدو آیا جس نے آپ سے گفتگو کی اور آپ نے اُسے چند باتوں کی ہدایت فرمائی۔ یہ تفصیل چونکہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں تھی، اِس لیے ہم نے اِس کو حذف کر کے یہ جملہ اُسی کے مطابق اپنی طرف سے قوسین میں لکھ دیا ہے۔

المصادر والمراجع

ابن أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **المصنف في الأحاديث والآثار**. ط١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن حبان، أبو حاتم، محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حبان، أبو حاتم، محمد بن حبان البُستي. (١٣٩٦هـ). **المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين**. ط١. تحقيق: محمود إبراهيم زايد. حلب: دار الوعي.

ابن حجر، أحمد بن علي، أبو الفضل العسقلاني. (١٤١٥هـ). **الإصابة في تمييز الصحابة.** ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن حجر، أحمد بن علي، أبو الفضل العسقلاني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **تقريب التهذيب.** ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر، أحمد بن علي، أبو الفضل العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب.** ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر، أحمد بن علي، أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** د.ط. بيروت: دارالمعرفة.

ابن حجر، أحمد بن علي، أبو الفضل العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان.** ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د.م: دار البشائر الإسلامية.

ابن خزيمة، أبو بكر محمد بن إسحاق السلمي النيسابوري. (١٤١٤هـ/ ١٩٩٤م). **كتاب التوحيد وإثبات صفات الرب عزّوجل.** ط٥. تحقيق: عبد العزيز بن إبراهيم الشهوان. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد اللّٰه القرطبي. (١٤١٤هـ/ ١٩٩٤م). **جامع بيان العلم وفضله.** ط١. تحقيق: أبي الأشبال الزهيري. المملكة العربية السعودية: دار ابن الجوزي.

ابن عدي أبو أحمد الجرجاني. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، وعلي محمد معوض. بيروت: الكتب العلمية.

ابن ماجه، أبو عبد اللّٰه محمد القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجه**. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي د.م: دار إحياء الكتب العربية.

ابن مَندَه أبو عبد اللّٰه محمد بن إسحاق العبدي. (١٤٠٦هـ). **الإيمان لابن منده.** ط٢. تحقق: د. علي بن محمد بن ناصر الفقيهي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن مَندَه أبو عبد اللّٰه محمد بن إسحاق العبدي. (١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٢م). **التوحيد ومعرفة**

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

أسماء اللّٰه عز وجل وصفاته على الاتفاق والتفرد. ط١. تحقيق وتخرج: الدكتور علي بن محمد ناصر الفقيهي. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

أبو داود، سليمان بن الأشعث، السِّجِسْتاني. (د.ت). **سنن أبي داود.** د.ط. تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد. بيروت: المكتبة العصرية.

أبو عوانة، الإسفراييني، يعقوب بن إسحاق النيسابوري. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **مستخرج أبي عوانة.** ط١. تحقيق: أيمن بن عارف الدمشقي. بيروت: دار المعرفة.

أبو نعيم أحمد بن عبد اللّٰه الأصبهاني. (١٤١٠هـ/ ١٩٩٠م). **أخبار أصبهان.** تحقيق: سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

أبو نعيم أحمد بن عبد اللّٰه الأصبهاني. (١٤١٩هـ/ ١٩٩٨م). **معرفة الصحابة.** ط١. تحقيق: عادل بن يوسف العزازي. الرياض: دار الوطن للنشر.

أبو يعلىٰ، أحمد بن علي، التميمي، الموصلي. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **مسند أبي يعلىٰ.** ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل، أبو عبد اللّٰه، الشيباني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **المسند.** ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البخاري، محمد بن إسماعيل، أبو عبداللّٰه الجعفي. (١٤٠٩هـ/ ١٩٨٩م). **الأدب المفرد.** ط٣. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار البشائر الإسلامية.

البيهقي، أبو بكر، أحمد بن الحسين الخراساني. **السنن الكبرىٰ.** ط٣. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية. (١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م).

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٣م). **شعب الإيمان.** ط١. تحقيق: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد. الرياض: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع.

الترمذي، أبو عيسىٰ، محمد بن عيسىٰ. (١٣٩٥هـ/١٩٧٥م). **سنن الترمذي.** ط٢. تحقيق و تعليق: أحمد محمد شاكر، ومحمد فؤاد عبد الباقي، وإبراهيم عطوة عوض. مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي.

الحاكم، أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد اللّٰه النيسابوري. (١٤١١هـ/ ١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين.** ط١. تحقيق: مصطفٰى عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية.

الخرائطي أبو بكر محمد بن جعفر السامري. (١٤١٣هـ/ ١٩٩٣م). **مساوئ الأخلاق ومذمومها.** ط١. تحقيق وتخريج: مصطفٰى بن أبو النصر الشلبي. جدة: مكتبة السوادي للتوزيع.

الذهبي، شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٧هـ/١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين وخلق من المجهولين وثقات فيهم لين.** ط٢. تحقيق: حماد بن محمد الأنصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

الذهبي، شمس الدين، أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء.** ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

الذهبي، شمس الدين، أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة.** ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية – مؤسسة علوم القرآن.

الذهبى شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٢هـ/ ١٩٦٣م). **ميزان الاعتدال في نقد الرجال.** ط١. تحقيق: علي محمد البجاوي. بيروت: دار المعرفة للطباعة والنشر.

الرُّوياني، أبو بكر محمد بن هارون. (١٤١٦هـ) **المسند.** ط١. تحقيق: أيمن علي أبو يماني. القاهرة: مؤسسة قرطبة.

السيوطي، جلال الدين، عبد الرحمٰن بن أبي بكر. (١٤١٦هـ/١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج.** ط١. تحقيق وتعليق: أبو اسحٰق الحويني الأثري. الخبر: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، أبو سعيد الهيثم بن كليب البِنُكَثي. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي.** ط١. تحقيق:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

د. محفوظ الرحمٰن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

الطبراني، أبو القاسم، سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٤م). **مسند الشاميين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطبراني، أبو القاسم، سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الأوسط**. د.ط. تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني. القاهرة: دار الحرمين.

الطبراني، أبو القاسم، سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **المعجم الصغير**. ط١. تحقيق: محمد شكور محمود الحاج أمرير. بيروت: المكتب الإسلامي.

الطبراني، أبو القاسم، سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الكبير**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطيالسي، أبو داود سليمان بن داود البصري. (١٤١٩هـ/١٩٩٩م). **مسند أبي داود الطيالسي**. ط١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

عياض بن موسىٰ أبو الفضل اليحصبي. (١٤١٩هـ/ ١٩٩٨م). **إكمَال المعلم بفوائد مسلم**. ط١. تحقيق: الدكتور يحْيَىٰ إِسْمَاعِيل. مصر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع.

القضاعي، أبو عبد الله محمد بن سلامة بن جعفر. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٦م). **مسند الشهاب**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

المزي، أبو الحجاج، يوسف بن عبد الرحمٰن القضاعي، الكلبي. (١٤٠٠هـ/ ١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: دكتور بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم بن الحجاج، النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

معمر بن أبي عمرو راشد، الأزدي، البصري. (١٤٠٣هـ). **الجامع**. ط٢. تحقيق: حبيب الرحمٰن الأعظمي. بيروت: توزيع المكتب الإسلامي.

النسائي، أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرىٰ**.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ط۲. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (۱٤۲۱هـ/۲۰۰۱م). **السنن الكبرىٰ.** ط۱. تحقيق وتخريج: حسن عبد المنعم شلبي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

النووي، يحيىٰ بن شرف، أبو زكريا. (۱۳۹۲هـ). **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج.** ط۲. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

هَنّاد بن السَّرِي بن مصعب أبو السَّرِي التميمي الدارمي. (۱٤۰٦هـ). **الزهد.** ط۱. تحقيق: عبد الرحمٰن عبد الجبار الفريوائي. الكويت: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي.

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''...بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اِس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اِس محرومی کا مداوا اُن دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے اُن کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپ ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمی کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اِس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر موذن کی اذان کے ساتھ ہی اِس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۲)

امین احسن اصلاحی

روزہ اور برکات روزہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شہوات اور خواہشات نفس کے غلبہ سے انسان کے اندر خدا سے جو غفلت اور اس کے حدود سے جو بے پروائی پیدا ہوتی ہے، اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے کی عبادت مقرر کی ہے۔ اس عبادت کا نشان تمام قدیم مذاہب میں بھی ملتا ہے، بالخصوص تزکیۂ نفس کے جتنے طریقے بھی صحیح یا غلط دنیا میں اب تک اختیار کیے گئے ہیں، ان سب میں اس عبادت کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ پچھلے ادیان میں اس عبادت کے آداب و شرائط، اسلام کی نسبت سے زیادہ سخت تھے۔ اسلام دین فطرت ہے، اس وجہ سے اس نے اس کی ان پابندیوں کو نسبتاً نرم کر دیا ہے جو انسان کی عام طاقت کے تحمل سے زیادہ تھیں، جن کو صرف خاص خاص لوگ ہی برداشت کر سکتے تھے۔

یہ عبادت نفس پر شاق ہونے کے اعتبار سے تمام عبادات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کی تربیت و اصلاح میں اس کا عمل بڑا مشکل ہے۔ یہ انسان کے نہایت سرکش اور منہ زور رجحانات پر کمند ڈالتی اور ان کو رام کرتی ہے، اس وجہ سے یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ ان کے مزاج میں سختی اور درشتی ہو۔

نفس انسانی کے جو پہلو سب سے زیادہ زوردار ہیں، ان میں شہوات، خواہشات اور جذبات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کی فطرت میں اشتعال، ہیجان اور جوش ہے، اس وجہ سے ارادہ کو ان پر قابو پانے کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ یہ ریاضت اتنی سخت اور ہمت شکن ہے کہ قدیم مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے بہت سے طالبین سرے سے اس چیز ہی سے مایوس ہو گئے کہ ان کو قابو میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ

انھوں نے ان کو قابو میں لانے اور ان کی تربیت کرنے کے بجاے ان کے یک قلم ختم کر دینے کی تدبیریں سوچیں اور اختیار کیں، لیکن اسلام ایک دین فطرت ہے اور یہ چیزیں بھی انسانی فطرت کے لازمی اجزا میں سے ہیں، جن کے بغیر انسان کے شخصی اور نوعی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اس نے ان کو ختم کر دینے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ ان کو قابو میں کر کے ان کو صحیح راہ پر لگانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کو قابو میں کرنا ان کو ختم کر دینے کے مقابل میں کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک منہ زور گھوڑے کو ختم کر دینا ہو تو اس کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ بندوق کی ایک گولی اس کو ٹھنڈا کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے، لیکن اگر اس کو رام کر کے سواری کے کام میں لانا ہے تو یہ مقصد ایک ماہر شہ سوار بڑی ریاضتوں، بڑی مشقوں اور بہت سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی حاصل کر سکتا ہے۔

روزے کی عبادت اسلام نے اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ ایک طرف نفس انسانی کے یہ سرکش رجحانات ضعیف ہو کر اعتدال پر آئیں اور دوسری طرف انسان کی قوت ارادی ان کو دبانے اور ان کو حدود الٰہی کا پابند بنانے کے لیے طاقت ور ہو جائے۔ اپنے اس دو طرفہ عمل کے سبب سے تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس عبادت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی برکات کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس کی چند برکات کا ذکر کریں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کی برکات

روح ملکوتی کی آزادی

روزے کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس سے انسان کی روح ملکوتی کو نفسانی خواہشات کے دباؤ سے بہت بڑی حد تک آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہماری روح ملکوتی کا حقیقی میلان ملاء اعلیٰ کی طرف ہے۔ وہ فطری طور پر خدا کے تقرب، ملائکہ سے تشبہ اور سفلیات سے تجرد کی طالب ہے اور مادی زندگی کے تقاضوں میں گرفتار رہنے کے بجاے اعلیٰ عقلی و اخلاقی مقاصد کے لیے پرواز کرنا چاہتی ہے، روح کے ان تقاضوں اور نفس کے ان مطالبات میں، جو خواہشات و شہوات سے پیدا ہوتے ہیں، ایک کھلا ہوا تضاد ہے۔ ان دونوں میں اکثر تصادم رہتا ہے اور اس تصادم میں اکثر جیت خواہشات و شہوات ہی کو ہوتی ہے۔

یہ صورت حال ظاہر ہے کہ روح کے فطری میلانات کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہی حالت عرصہ تک باقی رہ جائے اور روح کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کا کوئی موقع نہ ملے تو پھر نہ صرف یہ کہ اس کی قوت پرواز ختم ہو جاتی ہے، بلکہ آہستہ آہستہ وہ خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔

روزہ اس صورت حال میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ یہ ان چیزوں پر بہت سی پابندیاں عائد کر دیتا ہے جو شہوات وخواہشات کو تقویت پہنچانے والی ہیں۔ اس سے آدمی کا کھانا پینا اور سونا سب کم ہو جاتا ہے۔ دوسری لذتوں اور دل چسپیوں پر بھی بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ان چیزوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفس کے شہوانی میلانات کی جولانیاں بہت کم ہو جاتی ہیں اور روح ملکوتی کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کے لیے موقع مل جاتا ہے۔

روزے کی یہی خصوصیت ہے جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ساتھ ایک خاص نسبت دی ہے اور روزہ دار کو خاص اپنے ہاتھ سے اس کے روزے کی جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یوں تو اسلام نے جتنی عبادتیں بھی مقرر فرمائی ہیں، سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، لیکن روزے میں دنیا اور لذات دنیا کو ترک کر کے بندہ خدا سے قرب اور اس کے ملائکہ سے مناسبت اور تشبہ حاصل کرنے کی جو کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں مشقت اٹھاتا ہے، وہ روزے کے سوا کسی دوسری عبادت میں اس قدر نمایاں نہیں ہے۔ فقر، درویشی، زہد، تجرد، ترک دنیا اور تبتل الی اللہ کی جو شان اس عبادت میں ہے، وہ اس کا خاص حصہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ رہبانیت جس حد تک اسلام میں جائز رکھی گئی ہے اور جس درجہ تک اللہ تعالیٰ نے تربیت نفس کے لیے اس کو پسند فرمایا ہے، اسلام میں یہی عبادت اس کا مظہر ہے۔ اگر ایک بندہ روزے کی ساری مشقتیں اور پابندیاں فی الحقیقت اسی لیے جھیلتا ہے کہ اس کی روح اس عالم ناسوت کی دلدل سے آزاد ہو کر عالم لاہوت کی طرف پرواز کر سکے اور اسے خدا کا قرب حاصل ہو سکے تو بلاشبہ اس کی یہ کوشش اسی چیز کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ خاص نسبت دے اور اس کی جزا خاص اپنے ہاتھوں سے دے۔ ایک حدیث ملاحظہ ہو جس میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم:	''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
''قال اللّٰه: کل عمل ابن آدم له إلا الصیام	کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے
فإنّه لي و أنا أجزي به. و الصیام جُنة.	لیے ہے، مگر روزہ، یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس
و إذا کان یوم صوم أحدکم فلا یرفث	کا بدلہ دوں گا۔ روزہ ایک سپر ہے۔ جب کسی کا روزہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

و لا يصخب فإن سابّه أحد أو قاتله فليقل: إنّي امرؤ صائم. والذي نفس محمد بيده، لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المِسك. للصائم فرحتان يفرحهما: إذا أفطر فرح و إذا لقي ربّه فرح بصومه“. (بخاری، رقم ۱۹۰۴)

ہوتو اسے چاہیے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور وشغب کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے کہ بھائی، میں روزے سے ہوں۔ اس خدا کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک اس کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے اور دوسری اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔‘‘

مزید روایات میں اسی سلسلہ کی کچھ اور باتیں ہیں جن سے حدیث کی اصل حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے ہم ان کو بھی یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

يترك طعامه و شرابه و شهوته من أجلي. الصيام لي و أنا أجزي به. والحسنة بعشر أمثالها. (بخاری، رقم ۱۷۹۵)

’’(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) بندہ اپنا کھانا اور پینا اور اپنی شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ نیکیوں کا بدلہ دس گنا ہے۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ”كلّ عمل ابن آدم يُضاعف الحسنة عشر أمثالها إلى سبع مأة ضعف، قال اللّٰه عزّوجلّ: إلّا الصوم فإنه لي و أنا أجزي به يدع شهوته و طعامه من أجلي، للصائم فرحتان: فرحة عند فطره و فرحة عند لقاء ربّه. ولَخلوفُ فيه أطيب عند اللّٰه من ريح المِسكِ“. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جائے گا، یعنی نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بڑھائی جائیں گی، مگر روزے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا میرے لیے قربان کرتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی اس کو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، دوسری خوشی اس کو اپنے رب کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ اور اس کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان دونوں روایتوں کو ملا کر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو اپنی طرف خاص نسبت کیوں دی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خاص اپنے ہاتھ سے اس کا بدلہ دینے کا مطلب کیا ہے۔

اس کو اپنے لیے خاص قرار دینے کی وجہ تو یہ ہے کہ بندہ محض اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ان خواہشوں اور اپنے نفس کے ان مطالبات کو ترک کرتا ہے جن کا اس کے نفس پر سب سے زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور جن کے اندر اس کی تمام مادی خوشیاں اور تمام مادی لذتیں سمٹی ہوئی ہیں۔ ان لذتوں سے محض اللہ کی رضا کے لیے منہ موڑ لینا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اس نے اسے محبوبیت کا ایک خاص درجہ دیا اور فرمایا کہ بندہ روزہ خاص میرے لیے رکھتا ہے اور میری خوشی کے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی لذتوں کو چھوڑتا ہے۔

خاص اپنے ہاتھ سے بدلہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بندھے ہوئے قاعدے ہیں۔ حالات و خصوصیات کے لحاظ سے ہر نیکی کا دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بدلہ ملے گا۔ مثلاً فرض کیجیے ایک نیکی سازگار حالات کے اندر کی گئی ہے اور دوسری نیکی مشکل حالات کے اندر کی گئی ہے یا ایک نیکی پوری احتیاط اور پوری نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے اور دوسری نسبتاً کم اہتمام اور کم نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس طرح کے فرق و اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر شخص کی نیکی کا جو اجر ہونا چاہیے، وہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق خدا کے رجسٹر میں درج ہو گا اور ہر حق دار اس اجر کو حاصل کر لے گا، لیکن روزے کی جو عبادت ہے، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس فارمولے کے تحت نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کا فیصلہ کسی اور فارمولے کے مطابق ہو گا جس کا علم صرف اسی کو ہے۔ جب جزا دینے کا وقت آئے گا، تب وہی اس کو کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزہ رکھنے والے کو صلہ دے گا۔ جس عبادت کی جزا کے لیے یہ کچھ اہتمام ہو گا، کون اندازہ کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین سب کا مالک اس کی کیا جزا دے گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سد ابواب فتنہ

اس کی دوسری برکت یہ ہے کہ آدمی کے اندر فتنہ کے جو بڑے بڑے دروازے ہیں، روزہ ان کو بہت بڑی حد تک بند کر دیتا ہے۔ آدمی کے اندر فتنے کے بڑے دروازے، جیسا کہ ایک سے زیادہ حدیثوں میں تصریح ہے، بطن اور فرج ہیں، انھی کے سبب سے آدمی نہ جانے خود کتنی ہلاکتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی نہیں معلوم کتنی ہلاکتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی راستے ہیں جن سے شیطان انسان پر سب سے زیادہ حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان ان کی حفاظت کر سکے تو سمجھیے کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس شخص کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جو شخص ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے سکے۔ایک حدیث ملاحظہ ہو:

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان چیزوں کے بارے میں مجھے ضمانت دے سکے جو اس کے دونوں کلّوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان میں ہیں، میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔'' (بخاری، رقم ۶۱۰۹)

روزہ ان کی حفاظت کا بہتر سے بہتر انتظام کرتا ہے۔انسان کے لیے روزے میں صرف کھانا پینا ہی حرام نہیں ہو جاتا، بلکہ لڑنا جھگڑنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور غیر ضروری باتوں میں حصہ لینا بھی روزے کے مقصد کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔اسی طرح روزے میں صرف شہوانی تقاضوں کا پورا کرنا ہی حرام نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ تمام چیزیں بھی روزے کے منشا کے خلاف ہیں جو اس کے شہوانی میلانات کو شہ دینے والی ہوں۔روزہ خود بھی ان میلانات کو ضعیف کرتا ہے اور روزہ دار کو بھی ہدایت ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو ان تمام مواقع سے دور رکھے جہاں سے اس کے ان رجحانات کو غذا بہم پہنچ جانے کا امکان ہو۔

فتنہ کے دروازوں کے بند ہو جانے سے اس کے لیے ان کاموں کا کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے جو خدا کی رضا کے کام ہیں اور جن سے جنت حاصل ہوتی ہے اور ان کاموں کی راہیں بند ہو جاتی ہیں جو خدا کی مرضی کے خلاف کام ہیں اور جن کے سبب سے آدمی دوزخ میں پڑے گا۔شیطان اس کے آگے بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔اس کی ساری چوکڑی بھول جاتی ہے۔وہ ڈھونڈتا ہے، لیکن اس کو روزہ دار پر حملہ کرنے کے لیے کوئی راہ نہیں ملتی۔یہی حقیقت ہے جو ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: "إذا دخل شهر رمضان فُتِّحَتُ أبواب السماء و غُلِّقت أبواب جهنم و سُلسلت الشياطين". (بخاری، رقم ۱۸۰۰)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کا مہینا آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں۔''

قوت ارادی کی تربیت

روزے کی تیسری برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کی قوت ارادی کی بہترین طریقہ پر تربیت کرتا ہے۔شریعت کے حدود کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پابندی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کی قوت ارادی نہایت مضبوط ہو۔ بغیر مضبوط قوت ارادی کے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص شہوات و جذبات اور خواہشات کے غیر معتدل ہیجانات کو دبا سکے اور جو شخص ان کے مفرط ہیجان کو دبا نہیں سکتا، اس کے لیے یہ محال ہے کہ وہ شریعت کے حدود کو قائم رکھ سکے۔ ایک ضعیف اور لچلچے ارادہ کا آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی چیز اس کے غصہ کو اشتعال دلانے والی سامنے آ جائے گی، وہ بڑی آسانی سے اس سے مغلوب ہو جائے گا؛ جب بھی کوئی طمع پیدا کرنے والی چیز اس کو اشارہ کر دے گی، وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا اور جہاں بھی کوئی چیز اس کو اکسانے والی نظر آ جائے گی، وہیں وہ پھسل کے گر پڑے گا۔ اس طرح کی ضعیف قوت ارادی کا انسان دنیا میں عزم و ہمت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کر سکے۔ بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے، مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس صبر کی مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی صبر سے وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو روزے کا اصل مقصود ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۸۳)

''اے ایمان والو، تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو، یعنی تا کہ صبر اور برداشت کی تربیت سے تمھاری قوت ارادی مضبوط ہو اور تمام ترغیبات و تحریکات اور تمام مشکلات و موانع کا مقابلہ کر کے تم شریعت کے حدود پر قائم رہ سکو۔

یہی قوت مومن کے ہاتھ میں وہ ہتھیار ہے جس سے وہ شیطان کے ہر وار کو روک سکتا ہے جو وہ خواہشات و جذبات اور شہوات کی راہ سے اس پر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اس حدیث میں، جو اوپر گزر چکی ہے، روزے کو ایک ڈھال کہا گیا ہے اور روزہ دار کو یہ ڈھال استعمال کرنے کی تعلیم یوں دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ یا لڑائی جھگڑا شروع کر دے تو اس سے کہے کہ میں روزے سے ہوں۔

جذبۂ ایثار کی پرورش

روزے سے انسان کے اندر جذبۂ ایثار کی بھی پرورش ہوتی ہے اور یہ جذبہ انسان کے ان اعلیٰ جذبات میں سے ایک ہے جن سے ہزاروں نیکیوں کے لیے اس کے اندر حرکت پیدا ہوتی ہے۔ انسان جب روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے اور اپنی دوسری خواہشوں کو بھی دبانے پر مجبور ہوتا ہے تو اس طرح اسے غریبوں، فاقہ کشوں، محتاجوں اور مظلوموں کے دکھ درد اور ان کے شب و روز کا اندازہ کرنے کا بذات خود موقع ملتا ہے۔ وہ بھوک اور پیاس کا مزہ چکھ کر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بھوکوں اور پیاسوں سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں کو سمجھنے لگتا ہے اور پھر قدرتی طور پر اس کے اندر یہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر ان کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو کرے۔ روزے کا یہ اثر ہر شخص پر اس کی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے پڑتا ہے، کسی پر کم پڑتا ہے، کسی پر زیادہ۔ لیکن جس شخص کے روزے میں روزے کی خصوصیات موجود ہیں، ان پر روزے کا یہ اثر پڑتا ضرور ہے۔ جن کا جذبۂ ایثار کمزور ہوتا ہے، روزہ کچھ نہ کچھ ان کو بھی متحرک کر دیتا ہے اور جن کے اندر یہ جذبہ قوی ہوتا ہے، ان کے لیے تو روزوں کا مہینا اس جذبہ کے ابھرنے کے لیے گویا موسم بہار ہوتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تر دستیاں اور فیض بخشیاں یوں تو ہمیشہ ہی جاری رہتی تھیں، لیکن رمضان کا مہینا تو گویا آپ کے جود و کرم کا موسم بہار ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كان النبي صلى الله عليه و سلم أجود الناس بالخير و كان أجود ما يكون في رمضان. (بخاری، رقم ٦)	''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے، لیکن رمضان میں تو گویا آپ سراپا جود و کرم ہی بن جاتے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن مجید سے مناسبت

قرآن مجید کو روزے کی عبادت کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے روزہ دار پر قرآن مجید کی خاص برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ روزے کی حالت میں بہت سے دنیاوی مشاغل کا بوجھ روزہ دار کے اوپر سے اترا ہوا ہوتا ہے اور نفس کے میلانات و رجحانات میں، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، روزے کے سبب سے بڑی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خاموشی، خلوت، غیر ضروری مصروفیتوں سے علیحدگی اور ترک و انقطاع کی ایک مخصوص زندگی، جو روزہ دار کو حاصل ہوتی ہے، قرآن کی تلاوت اور اس کے تدبر کے لیے کچھ خاص موزونیت رکھتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت اتاری جب آپ غار حرا میں معتکف تھے۔ نیز قرآن مجید کے نزول کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مبارک مہینے کو منتخب فرمایا اور اس نعمت کی شکر گزاری کے لیے اس پورے مہینے میں روزے رکھنا امت پر فرض قرار دیا۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر شب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قراءت قرآن مجید کا مذاکرہ کرنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے اور جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا ہوا ہوتا تھا، اس کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ رمضان کی راتوں میں تراویح میں قرآن کے سننے اور سنانے کی جو اہمیت ہے، وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ یہ ساری باتیں شہادت

دیتی ہیں کہ قرآن مجید کو روزوں سے اور روزوں کو قرآن مجید سے گہری مناسبت ہے۔

تبتل الی اللہ

روزے کی اصل غایت دل، دماغ، جسم اور روح سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں تبتل الی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مقام آدمی کو روزے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کو حاصل کرنے کے لیے روزے کے ساتھ اعتکاف کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اعتکاف اگرچہ ہر شخص کے لیے رمضان کے روزوں کی طرح ضروری چیز نہیں ہے ـــ بلکہ یہ اختیاری عبادت ہے ـــ لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر رمضان کے آخری عشرہ میں، جبکہ روح میں تجرد و انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی ایک خاص کیفیت و حالت پیدا ہو جاتی ہے، آدمی اعتکاف میں بیٹھ جائے تو اس سے روزے کا جو اصل مقصود ہے، وہ کمال درجہ حاصل ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں جو اہتمام فرماتے تھے، اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح فرماتی ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا دخل العشر أحیا اللیل و أیقظ أھلہ و جدّ و شدّ المئزر. (مسلم، رقم ۲۷۸۷)

''جب رمضان کا آخری عشرہ آتا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری فرماتے، اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری کے لیے اٹھاتے اور کمر کس کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے۔''

(تزکیۂ نفس ۲۳۹-۲۴۷)

''...بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اِس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اُس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے، اُسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں، اور بعض حالتوں میں اپنے زیردستوں کو مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اِس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۱)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی

آفات روزہ اور ان کا علاج

روزے کی برکات میں سے یہ چند برکات ہم نے بیان کی ہیں، لیکن یہ برکتیں اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب آدمی اپنے روزے کو ان تمام آفتوں سے محفوظ رکھ سکے جو روزے کو خراب کر دینے والی ہیں۔ یہ آفتیں چھوٹی اور بڑی بہت سی ہیں۔ ہم تزکیۂ نفس کے طالبوں کی واقفیت کے لیے یہاں چند بڑی آفتوں کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی ان کے وہ علاج بھی بتائیں گے جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے روزوں کی حفاظت کرنا چاہیں، ان سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لذتوں اور چٹخاروں کا شوق

روزے کی عبادت، جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے، اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں پر قابو پا سکے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اس مقصد کو روزوں میں ملحوظ رکھے اور ان رغبتوں کو حتی الامکان دبائے جن کے آگے اپنی روزمرہ زندگی میں وہ اکثر بے بس ہو جایا کرتا ہے اور یہ بے بسی اس کو بہت سی اخلاقی اور شرعی کمزوریوں میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن بہت سے لوگ اس مقصد کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک روزے کا مہینا خاص کھانے پینے کا مہینا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس مہینے میں کھانے پینے پر جتنا بھی خرچ کیا جائے، خدا کے ہاں اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اس خیال کے لوگ اگر ـــــ خوش قسمتی سے ـــــ کچھ خوش حال بھی ہوتے ہیں تو پھر تو فی الواقع ان کے لیے روزوں کا مہینا کام و دہن کی لذتوں سے متمتع ہونے کا

موسم بہار ہی بن کے آتا ہے۔ وہ روزے کی پیدا کی ہوئی بھوک اور پیاس کو نفس کشی کے بجائے نفس پروری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک طرح طرح کے پکوانوں کے پروگرام بنانے اور ان کے تیار کرانے میں اپنے وقت صرف کرتے ہیں اور افطار سے لے کر سحر تک اپنی زبان اور اپنے پیٹ کی تواضع میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ میں ایک ایسے بزرگ سے واقف ہوں جو ایک دین دار آدمی تھے، لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ رمضان کا مہینا کھانے پینے کا خاص مہینا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے تحت وہ رمضان کے مہینے کے لیے کھانے پینے کی مختلف چیزوں کا اہتمام بہت پہلے سے شروع کر دیتے تاکہ رمضان میں ان کی تنوعات سے متمتع ہو سکیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ کھانے پینے کے شوق کو اکسا دیتا ہے۔ لیکن روزے کا مقصود اسی اکساہٹ کو دبانا ہے نہ کہ اس کی پرورش کرنا، اس وجہ سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی قوت کار کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن ہرگز ہرگز کھانے پینے کو اپنی زندگی کا موضوع نہ بنا لے۔ جو کچھ بغیر کسی خاص سرگرمی اور بغیر کسی خاص اہتمام کے میسر آ جائے، اس کو صبر و شکر کے ساتھ کھا لے۔ اگر کوئی چیز پسند کے خلاف سامنے آئے تو اس پر بھی گھر والوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے۔ اگر کسی کو خدا نے فراغت و خوش حالی دی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ خود اپنے کھانے پینے پر اسراف کرنے کے بجائے غریب اور مسکین روزہ داروں کی مدد اور ان کو کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ اس چیز سے اس کے روزے کی روحانیت اور برکت میں بڑا اضافہ ہو گا۔ رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا جو حال ہوتا تھا، اس کے متعلق ایک حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ روزہ افطار کرانے کے ثواب سے متعلق ایک حدیث ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن خالد جہنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

من فطّر صائمًا کان له مثل أجره غیر أنّه لاینقص من أجر الصائم شیئًا. (ترمذی، رقم ۸۰۷)	''جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے۔ اور اس سے روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔''

اشتعال طبیعت

آدمی جب بھوکا پیاسا ہو تو قاعدہ ہے کہ اس کا غصہ بڑھ جایا کرتا ہے۔ جہاں کوئی بات ذرا بھی اس کے مزاج کے خلاف ہوئی فوراً اس کو غصہ آ جاتا ہے۔ روزے کے مقاصد میں سے یہ چیز بھی ہے کہ جن کی طبیعتوں میں غصہ زیادہ ہو، وہ روزے کے ذریعے سے اپنی طبیعتوں کی اصلاح کریں۔ لیکن یہ اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آدمی روزے کو اپنی طبیعت کی اس خرابی کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اگر وہ اس کو اپنی طبیعت کی اصلاح کا ذریعہ نہ بنائے تو اس

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بات کا بڑا اندیشہ ہے کہ روزہ اس پہلو سے اس کے لیے مفید ہونے کے بجائے الٹا مضر ہو جائے، یعنی اس کی طبیعت کا اشتعال کچھ اور زیادہ ترقی کر جائے۔ جو شخص اس کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو یا کوئی دوسرا اس کے اندر اس اشتعال کو پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ فوراً اس بات کو یاد کرے کہ 'أَنَا صَائِمٌ' میں روزے سے ہوں اور یہ چیز روزے کے مقصد کے بالکل منافی ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کو غصہ پر قابو پانے کی تربیت ملتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تربیت اس کے مزاج کو بالکل بدل دیتی ہے، یہاں تک کہ اس کو اپنے غصہ پر اس حد تک قابو حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کو وہ وہیں استعمال کرتا ہے جہاں وہ اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔

لیکن بہت سے لوگ اسلام کے بتائے ہوئے اس اصول کے بالکل خلاف روزے کو سپر کے بجائے تلوار کے طور پر استعمال کرنے کے عادی بن جاتے ہیں، یعنی روزہ ان کے لیے ضبط نفس کے بجائے اشتعال نفس کا بہانہ بن جایا کرتا ہے۔ وہ بیوی پر، بچوں پر، نوکروں پر اور ماتحتوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے ہیں، صلواتیں سناتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں اور بعض حالات میں مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے اور پھر اپنے آپ کو اس خیال سے تسلی دے لیتے ہیں کہ کیا کریں، روزے میں ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے۔

جو لوگ اپنے نفس کو اس راہ پر ڈال دیتے ہیں، ان کے لیے روزہ اصلاح نفس کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کے بگڑے ہوئے نفس کو بگاڑنے کا مزید سبب بن جایا کرتا ہے۔ جو روزہ بھی وہ رکھتے ہیں، وہ ان کے نفس مشتعل کے لیے چابک کا کام دیتا ہے جس سے ان کا نفس تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص روزے کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ روزے کو اپنے نفس کے لیے ایک لگام کے طور پر استعمال کرے اور ہر اشتعال دلانے والی بات کو اسی سپر پر روکے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزے کے احترام کا یہ احساس طبیعت پر غالب رہے تو آدمی بڑی سے بڑی ناگوار بات بھی برداشت کر جاتا ہے اور اس پر کوئی احساس کم تری طاری نہیں ہوتا، بلکہ اس طرح کی آزمایش کے جتنے مواقع اس کے سامنے آتے ہیں، وہ ہر موقع پر یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے شیطان پر ایک فتح حاصل کی ہے اور اس فتح کا احساس اس کے غصہ کو ایک راحت و اطمینان کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دل بہلانے والی چیزوں کی رغبت

روزے کی ایک عام آفت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ، جن کے ذہن کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی ہے، کھانے پینے اور زندگی کی بعض دوسری دل چسپیوں سے علیحدگی کو ایک محرومی سمجھتے ہیں اور اس محرومی کے سبب سے ان کے لیے دن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کاٹنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل کا حل وہ یہ پیدا کرتے ہیں کہ بعض ایسی دل چسپیاں تلاش کر لیتے ہیں جو ان کے خیال میں روزے کے مقصد کے منافی نہیں ہوتیں۔ مثلاً یہ کہ تاش کھیلتے ہیں، ناول، ڈرامے اور افسانے پڑھتے ہیں، ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں اور بعض من چلے سینما کا ایک آدھ شو دیکھ آنے میں بھی کوئی قباحت نہیں خیال کرتے۔

ان سے زیادہ سہل الحصول دل چسپی بعض لوگ یہ پیدا کر لیتے ہیں کہ اگر ایک دو ساتھی میسر آ جائیں تو کسی کی غیبت میں لپٹ جاتے ہیں۔ روزے کی بھوک میں آدمی کا گوشت بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے اور تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزہ رکھ کے آدمی کو یہ لذیذ مشغلہ مل جائے تو آدمی جھوٹ، غیبت، ہجو اور اس قسم کی دوسری آفتوں کا جن کو حدیث میں 'حصائد اللسان'* سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک انبار لگا دیتا ہے اور اسی مشغلہ میں صبح سے شام کر دیتا ہے۔ یہ چیزیں آدمی کے روزے کو بالکل برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کے ضروری آداب میں سے سمجھے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ پچھلے مذاہب میں چپ رہنا بھی روزے کے شرائط میں داخل تھا۔ چنانچہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام روزہ کی حالت میں صرف اشارہ سے بات کرتی تھیں۔ اسلام نے روزہ داروں پر یہ پابندی تو عائد نہیں کی ہے، لیکن اس پابندی کے نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی روزے میں اپنی زبان کو چھوٹ دے دے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی ضروری اور مفید بات کرنے کا موقع پیش آ جائے تو کر لے، ورنہ خاموش رہے۔ جو شخص ہر قسم کی اناپ شناپ اور جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا رہتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ پھر اس کا محض کھانا پینا چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بالکل بے نتیجہ کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة في أن یدع طعامه وشرابه. (بخاری، رقم ۱۸۰۴)	''جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی کا جو وقت گھر کے کام کاج اور معاش کی مصروفیتوں سے فاضل بچے اس کو مفید چیزوں کے مطالعہ میں صرف کرے۔ روزے کے دنوں کے لیے قرآن شریف، حدیث شریف، سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور تزکیۂ نفس کی کتابوں کے مطالعہ کا ایک باقاعدہ پروگرام بنا لے۔ خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے تدبر پر پابندی

* ترمذی، رقم ۲۶۱۶۔

کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف کرے۔ قرآن مجید کو روزے کی عبادت کے ساتھ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، ایک خاص مناسبت ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے روزہ دار پر قرآن مجید کی خاص برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر روزہ دار کو ان برکتوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قرآن مجید اور ماثور دعاؤں کے یاد کرنے کے لیے بھی آدمی کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالے۔ اس طرح قرآن مجید اور مسنون دعاؤں کا آدمی کے پاس آہستہ آہستہ ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، جو آدمی کے جمع کیے ہوئے مال و اسباب کے ذخیروں سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ریا

ریا کا فتنہ جس طرح تمام عباتوں کے ساتھ لگا ہوا ہے، اسی طرح روزے کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ روزے تو رکھتے ہیں، بالخصوص رمضان کے روزے، لیکن ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت کچھ دخل اس احساس کو بھی ہو کہ روزے نہ رکھے تو پاس پڑوس کے روزہ داروں میں نکو بننا پڑے گا یا لوگوں میں جو دین داری کا بھرم ہے، وہ جاتا رہے گا یا اپنے گھر اور خاندان والے ہی برا مانیں گے۔ اس طرح کے مختلف احساسات ہیں جو رمضان کے روزوں میں شریک بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ خلوص نیت آلودہ اور مشتبہ ہو جایا کرتا ہے جو روزے کی حقیقی برکتوں کے ظہور کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ جس بندے میں خدا کی خوش نودی کے سوا کوئی اور محرک شریک ہو جائے، یہ روزہ وہ روزہ نہیں ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:

يترك طعامه و شرابه و شهوته من أجلي. الصيام لي و أنا أجزي به. (بخاری، رقم ۱۷۹۵)	''بندہ میرے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔''

بلکہ یہ روزہ اسی غرض کے لیے ہو جائے گا جس غرض کے لیے رکھا گیا ہے۔

اس آفت کا اول علاج تو یہ ہے کہ آدمی اپنی نیت کو ہر دوسرے شائبہ سے حتی الامکان پاک کرنے کی کوشش کرے۔ اسے ہر روز سوچنا چاہیے کہ اپنے روزے کو تمام برکتوں سے محروم کر کے فاقہ کے درجہ میں ڈال دینا انتہائی نادانی ہے، آخر یہ مشقت اٹھانے کا حاصل کیا ہوا، جبکہ یہ دنیا میں بھی موجب کلفت اور آخرت میں بھی موجب وبال بنے؟ اس طرح نفس کے سامنے بار بار روزہ کی قدر و قیمت واضح کرنی چاہیے تا کہ اس کی نگاہ دوسروں کی طرف سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہو۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھے اور اس میں دو باتوں کا اہتمام کرے: ایک حتی الامکان اخفا کا، یعنی ان کا اشتہار دینے کی کوشش نہ کرے۔ دوسری اعتدال یا میانہ روی کا، یعنی نفلی روزے اسی حد تک رکھے جس حد تک خواہشات وشہوات کو حالت اعتدال پر لانے کے لیے ان کی ضرورت ہو۔ اگر اس حد سے آدمی بڑھ جائے گا تو وہ چیز خود بھی ایک فتنہ ہے اور اسلام نے اس سے بھی بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے۔ روزے کی حیثیت ایک دوا کی ہے۔ دوا اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کر لی جائے تو بسا اوقات یہ خود بھی ایک بیماری بن جاتی ہے۔

(تزکیۂ نفس ۲۴۸-۲۵۳)

”...آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر کچھ مزید پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگر چہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۴)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد رفیع مفتی

فضائل رمضان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دین میں روزہ ایک اہم عبادت ہے۔ یہ عبادت ایک ماہ کے لیے کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کو کچھ خاص حدود و قیود میں لانا ہے۔

ذیل میں ہم ان احادیث کا مطالعہ کریں گے جو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ اللہ کے نزدیک اس عبادت کی کیا اہمیت و فضیلت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من صام رمضان إيمانًا واحتسابًا، غفرله ما تقدم من ذنبه. (بخاری، رقم ۳۸)

''جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسك. (بخاری، رقم ۱۸۹۴)

''روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن في الجنة بابًا، يقال له الريّان، يدخل منه الصائمون يوم القيٰمة، لا يدخل معهم أحد غيرهم، يقال: أين الصائمون؟ فيدخلون منه، فإذا دخل آخرهم أغلق فلم يدخل

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریّان کہا جاتا ہے۔ روزہ دار قیامت کے دن اُس سے جنت میں داخل ہوں گے، اُن کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔ پوچھا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر وہ اُس سے داخل

منه أحد. (مسلم، رقم ۲۷۱۰)

ہوں گے اور جب اُن میں سے آخری شخص بھی داخل ہو جائے گا تو اُسے بند کر دیا جائے گا۔ اِس کے بعد کوئی اُس دروازے سے داخل نہ ہو گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال اللّٰه: كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنه لي وأنا أجزي به والصيام جنة وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابّه أحد أو قاتله فليقل إني امرؤ صائم والذي نفس محمد بيده، لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسك، للصائم فرحتان يفرحهما: إذا أفطر فرح وإذا لقي ربه فرح بصومه. (بخاری، رقم ۱۹۰۴)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان کا ہر نیک عمل اسی کے لیے ہوتا ہے، سوائے روزے کے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اِس کی جزا دوں گا، روزہ گنا ہوں کے آگے ایک ڈھال ہے۔ اگر کسی نے روزہ رکھا ہو تو اسے نہ فحش گوئی کرنی چاہیے، نہ شور مچانا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اسے گالی دے یا اس سے لڑنا چاہے تو اسے بس یہی کہنا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف قال اللّٰه عز وجل: إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي، للصائم فرحتان: فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

''ابن آدم جو نیکی بھی کرتا ہے، اُس کی جزا اُسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دی جاتی ہے، لیکن روزے کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ 'فانه لي وأنا أجزي به' (یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اِس کی جزا دوں گا)، اِس لیے کہ بندہ اپنے کھانے پینے اور اپنی جنسی خواہشات کو اِس میں صرف میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے،

دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما من عبد يصوم يومًا في سبيل اللّٰه إلا باعد اللّٰه بذلك اليوم وجهه عن النار سبعين خريفًا. (مسلم، رقم ۱۱۵۳)

’’جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ اُس ایک دن کے روزے کی وجہ سے اُس شخص کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور کر دیتا ہے۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين. (مسلم، رقم ۱۰۷۹)

’’جب رمضان کا مہینا آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔‘‘

ایک صحابی آپ کے پاس آئے اور یہ عرض کی کہ آپ مجھے کسی عمل کا حکم دیں جسے میں آپ کے کہنے پر اختیار کروں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

عليك بالصوم فإنه لا مثل له. (نسائی، رقم ۲۲۲۲)

’’تمھیں چاہیے کہ تم روزے رکھا کرو، کیونکہ کوئی دوسرا عمل اس کی مثل نہیں ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

’’...روزہ اللہ کے لیے ہے اور وہی اُس کی جزا دے گا۔ یعنی بندے نے جب بغیر کسی سبب کے محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں بعض جائز چیزیں بھی اپنے لیے ممنوع قرار دے لی ہیں تو اب وہ ناپ تول کر اور کسی حساب سے نہیں، بلکہ خاص اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اُس کا اجر دے گا اور اِس طرح بے حساب دے گا کہ وہ نہال ہو جائے گا۔‘‘ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۳)

محمد وسیم اختر مفتی

ماہ رمضان: فضائل اور برکتیں

روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے کے ڈیڑھ سال بعد مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔ تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (البقرہ۲: ۱۸۳)

''اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے (دوسری امتوں کے) لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، توقع ہے تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

روزہ عربی میں 'صوم' کہلاتا ہے۔ 'صوم' کے لفظی معنی ہیں: کسی چیز سے رک جانا اور اسے چھوڑ دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں 'صوم' سے مراد یہ ہے کہ آدمی صبح صادق (اذان فجر سے پہلے سپیدۂ سحر) سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔ قرآن مجید میں رمضان کے عظیم مہینے کی فضیلت کے تین وجوہ بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اس مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ. (البقرہ۲: ۱۸۵)

''رمضان کا مہینا ہے، جس میں قرآن پاک بنی نوع انسان کی ہدایت کی خاطر، راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات اور حق و باطل کا فرق کھولنے والی کتاب بنا کر نازل کیا گیا۔''

قرآن مجید اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے۔ جو اس سے محروم ہے، وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

۲۔ اسی مہینے میں برکتوں والی ''لیلۃ القدر'' ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ. (القدر ۹۷: ۱-۳)

''ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔ تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

چونکہ قرآن حکیم ماہ رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہوا، اس سے ثابت ہوا کہ شب قدر رمضان ہی میں آتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو'' (بخاری، رقم ۲۰۲۱۔ مسلم، رقم ۲۷۳۳)۔

۳۔ اللہ نے اس پورے مہینے کے روزے فرض کر کے اسے اپنی اس اہم عبادت کے لیے خاص فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ. (البقرہ ۲: ۱۸۵)

''سو تم میں سے جو یہ مہینا پائے، اسے لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رمضان کی انھی خوبیوں کی وجہ سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''مبارک مہینا'' قرار دیا (نسائی، رقم ۲۱۰۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۷۹۵۵)۔

رمضان کی بے شمار برکتیں ہیں:

''جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں رہتا۔ (اللہ کی طرف سے) منادی پکارتا ہے: اے خیر کے طالب، آگے بڑھ۔ اے برائی کے جویا، رک۔ (تب) اللہ کی طرف سے بہت سوں کو دوزخ سے رہائی بخش دی جاتی ہے۔ ایسا (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔'' (ترمذی، رقم ۶۸۲۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۵۹۸)

''یہ وہ مہینا ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔'' (شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۶۰۸)

''جو رمضان میں ایمان کے ساتھ، ثواب کی نیت سے روزہ رکھتا ہے، اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ ثواب کے ارادے سے نوافل پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے

جاتے ہیں۔''(بخاری، رقم ۱۹۰۱۔ مسلم، رقم ۱۷۳۱)

''اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔''
(شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۶۰۸)

''اس مہینے میں جو شخص رب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے گا، وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا۔''(شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۶۰۸)

ماہ رمضان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس میں اسلامی تاریخ کے دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر اسی مہینے میں ہوئی۔ اسی ماہ مبارک کے ایک دن کو اللہ نے 'یَوْمَ الْفُرْقَانِ' (الانفال ۸: ۴۱) کہہ کر پکارا جس دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ اس برکت والے مہینے رمضان ہی میں مکہ فتح ہوا۔ گویا اسلام کی پوری تاریخ ابتدا سے تکمیل تک اس مہینے سے ناتا رکھتی ہے۔

ماہ رمضان ہر سال ہمیں انھی رشتوں کی یاد دہانی کرانے آتا ہے، اس کی آمد سے ہمیں نیا حوصلہ اور نیا ولولہ ملتا ہے اور ہم دینی ترقی کا ایک زینہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اس مہینے میں ہم فرض نمازوں کی بہتر پابندی سے، نوافل اور تراویح ادا کر کے اور باقاعدگی سے تلاوت قرآن کر کے سچے اور پکے مسلمان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا شعور بلند ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہ مہینا ہمیں انسانی ہمدردی اور دوسروں کے لیے قربانی کا درس بھی دیتا ہے۔ رضاے الٰہی کے لیے بھوکا پیاسا رہنے سے ہم میں دوسروں کی بھوک اور تکلیف کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ روزے سے ہم ضبط نفس (self discipline) بھی سیکھتے ہیں، انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ہوئے ان سے دور رہنا ہمیں جائز و ناجائز میں فرق سکھاتا ہے اور یہ سبق سکھلاتا ہے کہ ہم اپنا حق تصرف تبھی استعمال کر سکتے ہیں جب اس سے کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ روزہ دار خلوت میں کھا پی سکتا ہے، لیکن وہ محض اپنے رب کی خاطر اس وقت بھی خور و نوش سے باز رہتا ہے جب کوئی بشر اسے دیکھ نہیں رہا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے اپنے لیے ہوتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، روزہ دار اپنی نفسانی خواہشات اور کھانے پینے کو میری خاطر چھوڑ دیتا ہے''(بخاری، رقم ۱۹۰۴، ۷۴۹۲)۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شاہد رضا

روزہ اور تزکیۂ نفس

اللہ تعالیٰ کے احکام، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے متعلق، سراسر فطری احکام ہیں۔ یہ اسی دین فطرت کے احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانیت کے بعد ان کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ روزہ انھی احکام میں سے ایک اہم حکم ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے بعد یہ تیسری اہم فرض عبادت ہے۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی صاحب اس کی لغوی و اصطلاحی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے، جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ گھوڑوں کو تربیت دینے کے لیے جب بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا تھا تو اہل عرب اِسے اُن کے صوم سے تعبیر کرتے تھے۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔'' (میزان ۳۵۲)

اس کی فرضیت اور تشریع جس طرح اہل اسلام کے لیے ہے، اسی طرح امم سابقہ کے لیے بھی تھی۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۸۳)	''ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔''

روزے کی اصل غرض و غایت، جیسا کہ قرآن مجید نے واضح فرمائی ہے، یہ ہے کہ انسان کو تقویٰ حاصل ہو اور وہ

ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حدود کو پیش نظر رکھے اور اس بات سے ڈرے کہ اگر اس نے ان کو پامال کیا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی راہ فرار نہیں ہو گی۔

تزکیۂ نفس اور تطہیر ذات کے لیے روزہ نہایت ہی اہم عبادت ہے۔ اصل مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے تو تقرب الی اللہ کے لیے یہ بہترین ذریعہ ہے اور اس سے انفس و آفاق کے در بہ آسانی وا ہو سکتے ہیں۔ انسان کی تعمیر سیرت اور کردار کے لیے یہ میزان و معیار ہے، جس کے سبب سے اس کے مزاج میں استقلال و تسلسل کے ساتھ ساتھ مثبت تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ روزے کی حالت میں بے آمیز اطاعت، تسلیم و رضا، انابت و اخبات اور خشیت و ڈر کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ رب العٰلمین کے سپرد کر دیتا اور صرف اسی سے لو لگاتا ہے تو وہ اس کے لیے دنیا و آخرت میں بہترین صلہ مقدر کر دیتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

فإنه لي و أنا أجزي به يدع شهوته و طعامه من أجلي. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، کیونکہ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔''

تزکیۂ نفس کے پہلو سے روزہ متعدد روحانی، جسمانی، اخلاقی، فکری اور اصلاحی فوائد کا حامل ہے؛ زہد و تقویٰ، فقر و سادگی، نرم خوئی، ایثار و ہم دردی اور صبر و استقامت اس کے عمومی فوائد ہیں۔ اس کی جملہ برکات کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اس کا فہم حاصل کیا جائے، اس پر عمل کیا جائے اور اس کے ابلاغ کے لیے اہتمام کیا جائے۔

اس کے برخلاف، اگر روزہ دار اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور حدود و قیود سے بے پروائی، سہل اور غفلت کا ارتکاب کرتا ہے تو روزہ اس کے لیے بے سود؛ وہ مرغوبات کے حصول میں کوشاں رہے تو روزہ اس کے لیے بے معنی؛ وہ ریا اور بخالت کو اپنا شعار بنا لے تو روزہ اس کے لیے بے مقصد؛ وہ اشتعال اور غصے کو اپنا ہتھیار بنا لے تو روزہ اس کے لیے بے روح؛ وہ مخاصمت و مشاجرت میں اپنی زبان کو کھلا چھوڑ دے اور مشاتمت کو اپنی عادت بنا لے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه و شرابه. (بخاری، رقم ۱۹۰۳)

''جو شخص (حالت روزہ میں) جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شعبان ۸ھ: صلح حدیبیہ کی ایک شق تھی کہ عرب قبائل مسلمانوں یا قریش میں سے جس کا چاہیں، ساتھ دے کر جنگ نہ کرنے کے اس معاہدہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس شرط کو سنتے ہی بنوخزاعہ (بنوکعب) مسلمانوں کے حلیف بن گئے، جب کہ جاہلیت قدیمہ سے اس کے حریف چلے آنے والے قبیلہ بنوبکر (بنودئل، بنوکنانہ) نے قریش سے عہد و پیمان کر لیا۔ زمانۂ جاہلیت میں بنوخزاعہ نے بنوبکر کے سردار اسود بن رزن دئلی کی بیٹیوں سلمیٰ، کلثوم اور ذویب کو قتل کر رکھا تھا۔ صلح کے بعد ڈیڑھ سال گزرا تھا کہ بنوبکر کی نیت بگڑی، بنوبکر کی شاخ بنونفاثہ نے اپنا پرانا بدلہ لینے کے لیے بنوخزاعہ پر شب خون مارا جب وہ مکہ کے قریب اپنے ذخیرۂ آب (کنویں) وتیر (یا وتیرہ) پر آرام کر رہے تھے۔ وہ بھاگ کر حرم میں پناہ لینے پہنچے تو وہاں بھی نہ چھوڑا، اس طرح ان کے بیس سے زیادہ آدمی مارے گئے۔ معاہدۂ صلح کی رو سے قریش کا فرض تھا کہ اپنے حلیف کو جنگ سے روکتے، لیکن انھوں نے نہ صرف بنوبکر کو ہتھیار فراہم کیے، بلکہ قرشی سرداروں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابوجہل، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو نے بھیس بدل کر خود جنگ میں حصہ لیا۔ بنوخزاعہ سہیل کے ننھیال تھے، اس کے باوجود وہ اس غارت گری میں شامل ہوئے۔ بلاذری کی روایت کے مطابق جنگ تب چھڑی جب قریش کے حلیف بنوکنانہ (بنوبکر) کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی اور ایک خزاعی نے اس کا سر پھاڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد عمرو بن سالم خزاعی مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور زمانۂ جاہلیت میں عبدالمطلب کے ساتھ کیے جانے والے عہد اور صلح حدیبیہ کا حوالہ دے کر مدد کی فریاد کی۔ آپ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا اور تین تجاویز پیش فرمائیں: ۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔ ۲۔ قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔ ۳۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا جائے۔ قرطہ بن عمر نے قریش کی طرف سے تیسری شرط منظور کرنے کا اعلان کیا۔ آپ کے قاصد کے چلے جانے کے بعد انھیں اپنی عہد شکنی اور اس کے نتائج کا احساس ہوا تو ابوسفیان کو تجدید عہد کے لیے فوراً مدینہ روانہ کر دیا۔ ابوسفیان کی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ نے اسے دیکھ کر اپنا بستر لپیٹ دیا، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی سے ملنے کے بعد وہ نامراد مکہ چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلیف بنوخزاعہ کا بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا تو صحابہ کو سفر کی تیاری کرنے کا حکم دیا اور دعا فرمائی: اے اللہ، قریش کے جاسوسوں کی نگاہیں اچک لے تاکہ ہم ان کی مملکت پر اچانک حملہ کر سکیں۔ یہ غزوۂ فتح مکہ تھا جس میں جزیرہ نماے عرب میں مشرکوں کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ مدینہ ہی میں تھے کہ حضرت حاطب بن ابوبلتعہ نے بنومزینہ کی ایک عورت کنود (یا بنومطلب کی باندی سارہ) کو خط دے کر قریش کے سرداروں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کی طرف بھیج دیا۔ آپ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی تو فوراً حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام کو اس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے آٹھ میل باہر حمرا اسد کے قریب واقع مقام روضۂ خاخ پر باندی سے خط پکڑا گیا تو آپ نے حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا: تم نے جاسوسی کیوں کی؟ انھوں نے کہا: میں اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہوں، ایمان سے نہیں پھرا۔ میں نے مکہ میں موجود اپنے اعزہ و اقارب کو بچانے کے لیے ایسا کیا۔ حضرت عمر حضرت حاطب کی گردن اڑانا چاہتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

غزوۂ فتح مکہ (۱۸ رمضان ۸ھ، ۱۱ دسمبر ۶۲۹ء) کے موقع پر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو نے جیش اسلامی کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو جبل خندمہ کی اترائی میں جمع کیا۔ بنوبکر کا حماس بن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ہی جنگ کی تیاری کیے بیٹھا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ جاہلیت کے ان پرستاروں کا حضرت خالد بن ولید کے دستے سے مختصر مقابلہ ہوا جس میں تین مسلمان شہید ہوئے۔ صفوان اور عکرمہ تو جلد ہی فرار ہو گئے، تاہم سہیل بن عمرو نے کچھ ثابت قدمی دکھائی۔ آخرکار اپنے تیرہ جنگجوؤں کا نقصان اٹھانے کے بعد مشرکوں کا یہ جتھا تتر بتر ہو گیا۔ بلاذری اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس جھڑپ میں قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار افراد مارے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ شکست کے بعد سہیل کو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اندیشہ ہوا کہ مجھے قتل نہ کر دیا جائے، انھوں نے گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن سہیل کو پیغام بھیجا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ لے دو۔ آپ نے کمال شفقت سے انھیں امان دی، گھر سے باہر نکل آنے کو کہا اور اپنے پاس موجود صحابہ سے فرمایا: جو سہیل بن عمرو سے ملے، ان کو خشمگیں نگاہوں سے نہ دیکھے۔ سچی بات ہے کہ سہیل دانش وتفوق رکھتے ہیں اور ان جیسا شخص اسلام سے غفلت نہیں برت سکتا۔ سہیل نے بھی کہا: واللہ، محمد ہر چھوٹے، بڑے سے حسن سلوک کرتے ہیں۔

مکہ سرنگوں ہو گیا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے، باہر تشریف لانے کے بعد آپ نے باب کعبہ کی چوکھٹ کو تھام کر قریش سے پوچھا: اب تمھارا کیا خیال ہے؟ سہیل بن عمرو نے کہا: آپ بھلی بات کہتے ہیں اور بھلا گمان ہی کرتے ہیں۔ مہربان بھائی اور مہربان بھتیجے ہیں اور اب تو ہم پر غالب آ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو میرے برادر یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (یوسف ۱۲: ۹۲) ’’(بھائیو)، آج کے دن تم پر کوئی الزام یا ملامت نہیں۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۸ھ (۶۳۰ء): فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ بنوہوازن اور بنوثقیف کی فوجیں مالک بن عوف کی قیادت میں اسلامی فوج پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو گئیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ نے مدینہ سے آنے والے دس ہزار مہاجرین وانصار کے علاوہ دو ہزار اہل مکہ کو، جن میں نومسلموں کے علاوہ دین شرک پر قائم افراد بھی شامل تھے، لے کر وادئ حنین کا قصد کیا۔ انھی میں سے ایک سہیل بن عمرو تھے جو اپنے عقائد چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔ صبح کاذب کے وقت ابھی اسلامی فوج حنین کی وادی میں اتری ہی تھی کہ دشمن فوج نے کمین گاہوں سے نکل کر شدید تیر اندازی کرتے ہوئے اس پر دھاوا بول دیا۔ سب سے پہلے مکہ سے شامل ہونے والے سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگے، ان کے بعد مسلمانوں کی اکثریت منتشر ہوئی۔ صحابہ کی ایک مختصر جماعت پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئی۔ آپ ’أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب‘ (میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں) کا رجز پڑھتے رہے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ایک ایک قبیلے کا نام لے کر پکارتے رہے۔ رفتہ رفتہ اہل ایمان پھر سے مجتمع ہوئے اور شکست کفار کا انجام بنی۔ غزوۂ حنین میں فتح حاصل کرنے کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا، یہاں کے لوگ بھی اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ یہ محاصرہ بیس روز جاری رہا، سہیل بن عمرو اس سفر میں بھی آپ کے ساتھ تھے۔ طائف سے فارغ ہونے کے

بعد آپ جعرانہ آئے جہاں غزوۂ حنین میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت جمع تھے۔ یہاں حضرت سہیل بن عمرو نے اسلام قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم تقسیم فرمائے تو حضرت سہیل کو مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت حکیم بن حزام، حضرت نضیر بن حارث، حضرت حارث بن ہشام، حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ، حضرت علا بن جاریہ، حضرت عیینہ بن حصن، حضرت اقرع بن حابس، حضرت مالک بن عوف اور حضرت صفوان بن امیہ کے ساتھ حضرت سہیل بن عمرو کو سوسو اونٹ عنایت فرمائے۔ مؤلفۃ القلوب میں انصار کا کوئی شخص نہ تھا، یہ بات انصاریوں کو بہت کھٹکی۔ بنوخزرج کے حضرت سعد بن عبادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ تلواریں تو ہماری دشمنوں کے خون سے آلودہ ہیں اور آپ نے بڑے بڑے عطیات اپنی قوم اور عرب کے دوسرے قبائل میں بانٹ دیے ہیں۔ آپ نے تمام انصار کو جمع کیا اور فرمایا: میں نے ان لوگوں میں مال مویشی اس لیے تقسیم کیے ہیں تا کہ یہ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں۔ تم اس پر راضی نہیں کہ ان کو بھیڑ بکریاں ملیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ان نومسلم لیڈروں اور غیر مسلم سرداروں کی تالیف قلب کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو اب تک ایمان نہ لائے تھے، وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے (مسند احمد، رقم ۱۳۵۷۴)۔

۹ھ میں غزوۂ تبوک ہوا جس میں حضرت سہیل بن عمرو کی شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔ غالباً وہ اس وقت مکہ میں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت حضرت سہیل بن عمرو نے مومنانہ شان کا مظاہرہ کیا۔ جب اہل مکہ کی اکثریت اسلام سے پھرنے پر آمادہ تھی اور مکہ کے والی حضرت عتاب بن اسید روپوش ہو چکے تھے، حضرت سہیل اٹھے، حمد وثنا کے بعد پر جوش خطبہ دیا اور کہا: اے قریشیو، سب سے آخر میں ایمان لا کر سب سے پہلے مرتد ہونے والے نہ بن جاؤ۔ اے آل غالب، دین سے پھرنے والے تمھارا قافلہ لوٹ لے جائیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسلام کی طاقت کم نہ کرے گی، بلکہ اس میں اضافہ ہوگا۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کرتا تھا تو وہ تو فوت ہو چکے اور جو اللہ کی بندگی کرتا ہے تو وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ یہ دین اسی طرح پھیلے گا، جیسے سورج طلوع ہو کر غروب ہونے تک روشنی پھیلا دیتا ہے۔ جس نے ہمارے اندر شک پیدا کرنے کی کوشش کی، اس کی گردن اڑا دیں گے۔ میں قریش میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، ضمانت دیتا ہوں اگر حالات درست نہ ہوئے تو میں انھیں ٹھیک کرنے کی کوشش کروں گا۔ تب لوگ ٹل گئے اور حضرت عتاب عوام میں واپس آ گئے۔ یہی موقع تھا جب نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمر کو فرمائی ہوئی پیش گوئی پوری ہوئی: ''ہوسکتا ہے، سہیل کو وہ مقام مل جائے جو تمھیں پسند آ جائے۔'' مدینہ میں سیدنا ابوبکر نے ایمان ویقین سے بھر پور خطبات

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے مسلمانوں کے دل مضبوط کیے، جب کہ مکہ میں یہی فریضہ حضرت سہیل بن عمرو نے انجام دیا۔

۹ھ میں شاہ غسان کی تجویز پر قیصر روم نے مدینہ کی اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روم وغسان کی مشترکہ فوج کو شام کی سرحد پر جا کر روکنا ضروری سمجھا۔ یہ غزوۂ تبوک تھا جس میں کافر فوج کے پیچھے ہٹ جانے سے جنگ نہ ہوئی۔ پھر آپ نے وفات سے پہلے بیماری کی حالت میں جیش اسامہ کو رومی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ۱۲ھ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر نے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا، ان کی ترغیب پر رضا کاروں کی ایک بڑی تعداد شام جانے کے لیے تیار ہو گئی تو انھوں نے چار فوجیں ترتیب دیں، فلسطین کی طرف جانے والے لشکر کا قائد حضرت عمرو بن عاص کو، جیش اردن کا کمانڈر حضرت ولید بن عقبہ کو، دمشق (بلقا) کو جانے والی ایک فوج کا سربراہ حضرت یزید بن ابوسفیان کو اور حمص کی طرف جانے والی سپاہ کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو مقرر کیا۔ حضرت سہیل بن عمرو حضرت یزید کی فوج میں شامل تھے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

طبری اور ابن کثیر کی روایت کے مطابق ۱۳ھ میں عہد صدیقی کے اواخر میں جنگ یرموک ہوئی۔ حضرت سہیل بن عمرو نے اس میں بھی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جیش اسلامی کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید نے چھتیس یا چالیس کمانڈروں کی سربراہی میں ہزار ہزار جوانوں پر مشتمل دستے ترتیب دیے۔ قلب کی کمان حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو، میمنہ کی حضرت عمرو بن عاص کو، میسرہ کی حضرت یزید بن ابوسفیان کو، مقدمہ کی حضرت قباث بن اشیم کو اور ساقہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود کو سونپی۔ حضرت ابوالدردا اس دن قاضی تھے، حضرت ابوسفیان سپاہیوں کو جوش دلا رہے اور حضرت مقداد بن اسود قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے اسلامی فوج کے ایک دستے کی کمان حضرت سہیل بن عمرو کے سپرد کر رکھی تھی۔ دیگر کمانڈروں کے نام یہ ہیں: حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت مذعور بن عدی، حضرت عیاض بن غنم، حضرت ہاشم بن عتبہ، حضرت زیاد بن حنظلہ، حضرت دحیہ بن خلیفہ، حضرت یزید بن تحنس، حضرت عکرمہ بن ابوجہل، حضرت عبدالرحمٰن بن خالد، حضرت حبیب بن مسلمہ، حضرت صفوان بن امیہ، حضرت سعید بن خالد، حضرت ابوالاعور بن ابوسفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عبداللہ بن قیس، حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت ذوالکلاع، حضرت معاویہ بن حدیج، حضرت جندب بن عمرو، حضرت عمرو بن فلان، حضرت لقیط بن عبدالقیس، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عصمہ بن عبداللہ، حضرت ضرار بن ازور، حضرت مسروق بن فلان، حضرت عتبہ بن ربیعہ، حضرت جاریہ بن عبداللہ۔ ابن اسحاق، واقدی اور ابن عساکر کی روایات

کے مطابق یرموک کا معرکہ عہد فاروقی میں ۱۵ھ میں پیش آیا۔

ارتداد کی جنگوں میں حضرت سہیل بن عمرو کے ساتھی حضرت ابوسعد (ابوسعید) بن ابوفضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہیل نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کیا ہوا یہ ارشاد نبوی سنایا: ''تم میں کسی کا جہاد اللہ کے رستے میں ایک گھڑی بھی ٹھہرنا اپنے اہل خانہ میں رہ کر کیے جانے والے عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے'' اور کہا: میں جہاد کرنے کے لیے اپنی موت تک سرحدوں پر رہوں گا اور کبھی مکہ واپس نہ جاؤں گا۔

حضرت سہیل بن عمرو عہد فاروقی کے اوائل میں مدینہ آئے اور ایک ماہ کے قیام کے بعد اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو لے کر شام کے محاذ پر چلے گئے۔ حضرت حارث بن ہشام ان کے ہمراہ تھے۔

۱۳ھ: (فروری ۶۳۵ء) جنگ فحل (Battle of Pella) میں اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت شرحبیل بن حسنہ نے دس ہزار (دوسری روایت: اسی ہزار) رومیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وادئ اردن (تب غور شام) میں واقع شہر بیسان کا رخ کیا۔ حضرت عمرو بن عاص، حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو ان کے ساتھ تھے۔ شام و فلسطین کے اکثر شہر مسلمانوں کے زیر ہو گئے تو باقی علاقوں کے باشندوں نے قلعہ بند ہونے میں عافیت سمجھی۔ حضرت شرحبیل نے بیسان کے قلعہ گیروں کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ روز گزرے تھے کہ اہل بیسان میں سے کچھ مہم جو لڑنے کے لیے قلعہ سے باہر آئے، لیکن جب وہ مارے گئے تو شہر کے لوگ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۱۵ھ میں خلیفۂ دوم سیدنا فاروق اعظم نے مسلمانوں میں وظائف تقسیم کرنے کے لیے دیوان (رجسٹر) مدون کیا تو عطیات کی رقوم متعین کرنے میں سبقت الی الاسلام کا لحاظ کیا۔ اس طرح حضرت صفوان بن امیہ، حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو کے وظیفے کم ہو گئے، کیونکہ یہ سب فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ ان حضرات نے یہ کہہ کر وظائف لینے سے انکار کیا کہ ہم نہیں مانتے کہ کوئی ہم سے زیادہ اعلیٰ خاندان رکھتا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا: میں نے تمھارے حسب ونسب کا نہیں، بلکہ اسلام کی طرف پہل کرنے کا اعتبار کیا ہے۔ تب یہ خاموش ہو گئے اور درہم و دینار قبول کر لیے۔ جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے حضرت سہیل بن عمرو کو چار ہزار درہم ملے۔

ایمان لانے کے بعد حضرت سہیل بن عمرو اپنا زیادہ وقت فرائض ونوافل پڑھنے میں گزارتے، روزے رکھتے اور دل کھول کر صدقات دیتے۔ فرماتے تھے: میں نے کوئی اہم موقع نہیں چھوڑا جس میں مشرکوں کا ساتھ دیا ہو اور پھر اس طرح کے موقع پر مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا ہو۔ اور ایسا انفاق بھی نہیں رہنے دیا کہ ویسا ہی انفاق اہل ایمان کی خاطر نہ کیا ہو۔ یہی سوچتا رہا کہ یہ اعمال وانفاق زمانۂ جاہلیت کے کارناموں کا بدل ہو جائیں گے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان

لانے والے قریش کے زعما (طلقاء) میں سے کوئی بھی رقت و ورع میں ان سے بڑھا ہوا نہ تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت سنتے ہی ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔ کثرت بکا اور طوالت قیام سے ان کا رنگ متغیر ہو چکا تھا۔ جب تک حضرت معاذ بن جبل مکہ میں رہے، حضرت سہیل ان کے پاس جا کر قرآن سیکھتے رہے۔ حضرت ضرار بن خطاب نے ایک بار کہا: ابو یزید، تم قرآن سیکھنے اس خزرجی کے پاس جاتے ہو، اپنی قوم کے کسی فرد سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ حضرت سہیل نے جواب دیا: معاذ نے ہمارے ساتھ خوب کیا کہ ہم پر مکمل سبقت حاصل کر لی۔ قسم میرے دین و ایمان کی! میں اس کے پاس آتا جاتا رہوں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے جاہلیت والے معاملے نمٹا دیے۔ اس دین نے ایسی قوموں کو رفعت عطا کر دی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں کسی شمار میں نہ آتی تھیں۔ کاش! ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو آگے نکل جاتے۔ میں اسلام میں اس تقدم کو یاد کرتا ہوں جو اللہ نے میرے گھر کے مردوں، عورتوں اور میرے آزاد کردہ عمیر بن عوف کے لیے مقدر کر رکھا تھا اور اس پر خوشی محسوس کرتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان اعزہ کی دعاؤں سے اتنا نفع ضرور دے گا کہ میں اس طرح مروں نہ مارا جاؤں گا، جس طرح میرے ہم سر مرے یا جہنم رسید کر دیے گئے۔ بدر، احد اور خندق کی تمام جنگوں میں، میں شریک رہا اور حق سے دشمنی کی۔ سنہ ۶ھ میں حدیبیہ میں معاہدۂ صلح تحریر کرنے کی ذمہ داری مجھ پر پڑی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جانے والی اپنی تکرار اور باطل سے اپنا چمٹے رہنا یاد کرتا ہوں تو مکہ میں رہتے ہوئے آپ سے حیا محسوس کرتا ہوں۔ ہمارا شرک میں مبتلا رہنا اس سے بھی بڑا گناہ تھا۔ میں بدر کے دن کو یاد کرتا ہوں جب میں مشرکوں کی طرف تھا اور اپنے بیٹے عبداللہ اور آزاد کردہ عمیر بن عوف کو دیکھ رہا تھا کہ مجھ سے بھاگ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے گئے تھے۔ میرا اڑتیس سالہ بیٹا عبداللہ جنگ یمامہ میں شہید ہوا تو ابوبکر نے مجھ سے تعزیت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا: ''شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا'' (ابوداؤد، رقم ۲۵۲۲)۔ مجھے توقع ہے کہ سب سے پہلے میری ہی شفاعت کی جائے گی۔

ایک بار قریش کے رؤسا حضرت سہیل بن عمرو، حضرت ابوسفیان بن حرب خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب سے ملنے آئے، لیکن انھوں نے وہاں پر موجود حضرت صہیب رومی، حضرت بلال حبشی اور دوسرے بدری صحابہ کو پہلے بلا لیا۔ حضرت ابوسفیان بولے: میں نے آج جیسا دن نہ دیکھا تھا، حضرت عمر نے ان غلاموں کو بلا لیا ہے اور ہم بیٹھے رہ گئے ہیں۔ حضرت سہیل بن عمرو نے فرمایا: اے قوم قریش، میں تمھارے چہروں کے تاثرات دیکھ رہا ہوں، اگر تمھیں غصہ آ رہا ہے تو یہ اپنے اوپر نکالو۔ تمھاری قوم کو دعوت دی گئی اور تمھیں بھی پکارا گیا۔ لوگ دین حق کی طرف لپکے اور تم

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

نے سستی دکھائی۔ روز قیامت کیا کرو گے جب ان کو بلا لیا جائے گا اور تمھیں چھوڑ دیا جائے گا؟ جو افسوس تمھیں اب ہو رہا ہے، اس سے کہیں زیادہ رنج اس فضیلت کو کھونے پر ہونا چاہیے جسے پانے میں ان لوگوں نے سبقت حاصل کر لی۔ تم ان کی سبقت الی الایمان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد نہیں کر سکے تو اب جہاد کو اپنا شعار بنا لو، امید ہے، اللہ تمھیں شہادت عطا کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت سہیل بن عمرو نے کپڑے جھاڑے اور شام میں برسر پیکار اسلامی فوج میں شامل ہونے کے لیے روانہ ہو گئے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ حضرت سہیل نے کیا سچی بات کی۔ اللہ اپنی طرف لپکنے والے بندے کو اس شخص کی طرح نہ ٹھہرائے گا جو سست ہو کر پیچھے رہ گیا۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب سے ملنے آئے۔ حضرت عمر ان دونوں کے بیچ تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں مہاجرین صحابہ حضرت عمر سے ملنے کے لیے آنا شروع ہوئے۔ حضرت عمر کہتے جاتے: سہیل یہاں بیٹھ جایئے، حارث ادھر ہو جائیں۔ اس طرح کرتے کرتے یہ دونوں اصحاب سب سے آخر میں چلے گئے۔ حضرت عمر کی مجلس سے واپس آنے کے بعد حضرت حارث نے حضرت سہیل سے کہا: آپ نے دیکھا، ہمارے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ حضرت سہیل نے کہا: ہم عمر کو ملامت نہیں کر سکتے، البتہ خود اپنے آپ کو برا بھلا کہنا چاہیے۔ ہماری قوم کو دین اسلام کی دعوت دی گئی تو ہمارے اعزہ و اقارب اس کی طرف لپکے، لیکن ہم پیچھے پیچھے رہے۔ دونوں اصحاب پھر پلٹ کر حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا: آپ نے ہمارے ساتھ آج جو سلوک کیا، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری کوتاہی کی وجہ سے ہوا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم کھوئی ہوئی فضیلت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ میں اس کی ایک ہی صورت پاتا ہوں، حضرت عمر نے یہ کہہ کر روم کی سرحد کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ دونوں شام پہنچے اور وہاں شہادت حاصل کی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شام کے جہاد میں حضرت سہیل کا پورا کنبہ ان کے ساتھ تھا، ان کی بیٹی ہند اور پوتی فاختہ بنت عتبہ کے سوا سب نے وہیں وفات پائی۔ یہ دونوں مدینہ لوٹیں تو سیدنا عمر نے فاختہ کو پرورش میں لیا اور ان کی شادی حضرت سہیل کے ساتھی حضرت حارث بن ہشام کے بیٹے عبدالرحمٰن سے کرا دی اور کہا: ان دونوں بچ جانے والوں کو بیاہ دو۔

حضرت سہیل بن عمرو نے ۱۸ھ میں فلسطین کی بستی عمواس کے گرد و نواح میں پھیلنے والی طاعون کی وبا میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے حضرت عتبہ بن سہیل اور حضرت ابوجندل بن سہیل بھی ان کے ساتھ اس مہلک مرض کا شکار ہوئے۔ مدائنی کی شاذ روایت کے مطابق ان کی شہادت جنگ یرموک میں جہاد کرتے ہوئی۔

حضرت سہیل بن عمرو کی بیٹی سہلہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ سے بیاہی ہوئی تھیں جن کا شمار 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'*

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

میں ہوتا ہے۔ دونوں میاں بیوی پہلی ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ جنگ یمامہ میں حضرت ابوحذیفہ کی شہادت کے بعد حضرت سہلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں آئیں۔

حضرت سہیل بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یزید بن عمیرہ زبیدی نے ان سے روایت کی، جب کہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم نے ان کا کلام نقل کیا ہے۔

حضرت سہیل کے اقوال:

''جاہلیت کورچشمی تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم سے زائل کر دی۔''

''جو اپنے بھائی بہنوں کو کھو دے، پردیسی ہو جاتا ہے اگر چہ اپنے گھر میں مقیم ہو۔''

''اللہ تعالیٰ نے ہماری عقلوں اور ہمارے دلوں کی قلب ماہیت کر دی ہے۔ ہم نے ان اعمال کو برا سمجھنا شروع کر دیا ہے، زمانۂ جاہلیت میں جنھیں اچھا سمجھتے تھے۔ میں اب بتوں کی پوجا کو یاد کرتا ہوں تو سخت کراہت محسوس ہوتی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں گمراہی اور غفلت سے نکال کر ہدایت بخشی۔''

''اپنے نفس سے جہاد کرنا دشمن سے لڑنے پر فوقیت رکھتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

زمانۂ جاہلیت میں مکہ اور یثرب میں جسم فروش عورتوں کی بہتات تھی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ ان میں سے نو زیادہ مشہور تھیں جنھوں نے اپنی پہچان کے لیے پرچم بنا رکھے تھے۔ انھی میں سے ایک سہیل بن عمرو کی باندی حلالہ (یا جلالہ) تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ کے مفلس مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی تو اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا: 'وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ'' اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک۔'' (سورۂ نور ۲۴: ۳) (تفسیر طبری: سورۂ نور، ابوداؤد، رقم ۲۰۵۱۔ نسائی، رقم ۳۲۳۰۔ مسند احمد، رقم ۷۰۹۹)۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الجامع المسند الصحیح (بخاری)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، الاغانی (ابوفرج اصفہانی)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، معجم البلدان (یاقوت الحموی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تہذیب التہذیب (ابن حجر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، محمد رسول اللہ (محمد رضا)، تاریخ اسلام (اکبر شاہ خاں)، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (جواد علی)، سہیل بن عمرو (ویکیپیڈیا الموسوعۃ الحرۃ)۔

مقالات

ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات
نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۲)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نبی اور رسول میں فرق

قانون اتمام حجت کے تناظر میں نبی اور رسول کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحی طور پر نبی اور رسول اصلاً دو الگ مناصب ہیں، اس پر نص درج ذیل آیت ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ. (الحج ۲۲: ۵۲)

”ہم نے، (اے پیغمبر)، تم سے پہلے جو رسول اور جو نبی بھی بھیجا ہے، اُس کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ اُس نے جب بھی کوئی تمنا کی، شیطان اُس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا ہے۔ پھر شیطان کی اِس خلل اندازی کو اللہ مٹا دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیتوں کو قرار بخشتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔“

صاحب ''کشاف'' اس بارے میں لکھتے ہیں:

مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ، دليل بين على تغاير الرسول والنبي. وعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه سئل عن الأنبياء فقال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا"، قيل: فكم الرسول منهم؟ قال: "ثلاثمائة وثلاثة عشر جمًا غفيرًا". (۳/۱۶۴)

''مِنۡ نَبِيٍّ وَّلَا رَّسُوۡلٍ، نبی اور رسول کے مختلف ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ سے انبیا کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر پوچھا گیا: ان میں رسول کتنے تھے؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ۔''

امام رازی نے بھی یہی بیان کیا ہے:

هَذِهِ الۡآيَةُ دَالَّةٌ عَلَيۡهِ لِأَنَّهُ عَطَفَ النَّبِيَّ عَلَى الرَّسُولِ، وَذٰلِكَ يُوجِبُ الۡمُغَايَرَةَ وَهُوَ مِنۡ بَابِ عَطۡفِ الۡعَامِّ عَلَى الۡخَاصِّ. وَقَالَ فِي مَوۡضِعٍ آخَرَ: 'وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ' (الزخرف ۴۳: ۶) وَ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ كَانَ نَبِيًّا، فَجَعَلَهُ اللّٰهُ مُرۡسَلًا وَهُوَ يَدُلُّ عَلٰى قولنا. (مفاتيح الغيب ۳/۲۳۶)

''یہ آیت دلیل ہے اس پر (کہ نبی اور رسول میں فرق ہے)، اس لیے کہ نبی کا عطف رسول پر ہے، اس سے دونوں میں فرق لازم آتا ہے۔ اور یہ عام کو خاص پر عطف کرنا ہے۔ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ 'وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ' (الزخرف ۴۳: ۶) اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ نبی تھے اور پھر اللہ نے انھیں رسول بنا کر بھیجا، اور یہی دلیل ہے ہمارے قول کی۔''

اس فرق کو بیان کرتے ہوئے صاحب ''کشاف'' نے دو آرا پیش کی ہیں: ایک یہ نبی عام ہے اور رسول خاص، مولانا مودودی نے بھی سورۂ مریم کے حاشیہ ۳۰ میں تسلیم کیا ہے کہ نبی اور رسول میں اصطلاحی طور پر فرق ہے اور یہ بھی کہ رسول خاص ہے اور نبی عام۔[2] لیکن اس کی انھوں نے کوئی تعیین نہیں کی۔ صاحب ''کشاف'' اس عام و خاص کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول، صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے اور نبی کسی رسول کی کتاب اور شریعت کا متبع ہوتا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ مسیح رسول تھے، لیکن وہ شریعتِ موسوی کے متبع تھے۔ وہ تورات اور انجیل، دونوں کے حامل تھے:

وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ. (آل عمران ۳: ۴۸)

''اور اللہ اُسے (یعنی مسیح کو) قانون اور حکمت سکھائے گا، یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔''

۲؎ مولانا مودودی، تفہیم القرآن ۳/۷۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انجیل میں مسیح کا واضح ارشاد موجود ہے کہ وہ تورات کو منسوخ کرنے نہیں، بلکہ اس کی تکمیل کرنے آئے تھے:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔'' (متی ۵: ۱۷)

اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا:

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. (النحل ۱۶: ۱۲۳)

''پھر (یہی وجہ ہے کہ) ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ اِسی ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو، جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

اس لیے اس رائے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

''تفسیر کبیر'' میں امام رازی نے درج ذیل رائے کو ترجیح دی ہے:

أَنَّ مَنْ جَاءَهُ الْمَلَكُ ظَاهِرًا وَأَمَرَهُ بِدَعْوَةِ الْخَلْقِ فَهُوَ الرَّسُوْلُ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ بَلْ رَاٰى فِي النَّوْمِ كَوْنَهُ رسولًا، أو أخبره أحد من الرسال بِأَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَهُوَ النَّبِيُّ الَّذِي لَا يَكُوْنُ رَسُوْلًا وَهٰذَا هُوَ الْأَوْلٰى. (مفاتیح الغیب ۲۳/ ۲۳۶)

''رسول وہ ہے جس کے پاس ظاہری طور پر فرشتہ آئے اور اسے لوگوں کو دین کی دعوت دینے کا کہے۔ لیکن جس کے ساتھ ایسا نہ ہو، بلکہ وہ خواب میں دیکھے کہ وہ رسول ہے یا کوئی خدا کا رسول اسے خبر دے کہ وہ رسول ہے تو وہ نبی ہے، وہ رسول نہیں ہو جاتا۔ اور یہی رائے بہتر ہے۔''

تاہم، ان بیان کردہ امتیازات کے لیے کوئی نص یا دلیل انھوں نے پیش نہیں کی۔

مکتب فراہی نے نبی اور رسول کی حیثیت متعین کرنے کی جو سعی کی ہے اور اس بارے میں قرآن مجید سے جو دلائل پیش کیے ہیں، وہ قرآن فہمی کی عمدہ مثال اور اہل علم کی توجہ کے متقاضی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

لفظ کبھی اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اصطلاحی معنی میں۔ قرآن مجید میں بھی نبی اور رسول کے الفاظ کبھی لفظی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں (یعنی جن کو خبر دی گئی، یعنی جن پر وحی نازل ہوئی) اور کبھی اصطلاحی معنی میں (یعنی بھیجا ہوا)۔ مثلاً درج ذیل آیت میں تمام پیغمبروں کو لفظی معنی کے لحاظ سے انبیا کہا گیا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ وَ اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا

''لوگ ایک ہی امت تھے۔ (اُن میں اختلاف پیدا ہوا) تو اللہ نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور انذار کرتے ہوئے اور اُن کے ساتھ قول فیصل کی صورت میں اپنی

اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ. (البقرہ۲: ۲۱۳)

کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان وہ اُن کے اختلافات کا فیصلہ کر دے۔‘‘

جب کہ ایک دوسری آیت میں تمام پیغمبروں کو رسول کہا گیا ہے:

وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلاًۢ بَعِيۡدًا. (النساء۴: ۱۳۶)

’’اور (جان رکھو کہ) جو اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور قیامت کے دن (اُس کے حضور میں پیشی) کے منکر ہوں، وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔‘‘

اسی معنی میں یہ لفظ فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے:

وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ. (الانعام۶: ۶۱)

’’وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور تم پر (اپنے) نگران مقرر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ہی اُس کی روح قبض کرتے ہیں اور (اِس کام میں) کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تاہم، قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ جن پیغمبروں کی دعوت و انذار کے نتیجے میں اسی دنیا میں حجت تمام ہونے اور اس کے نتیجے میں اسی دنیا میں جزا و سزا ملنے کا ذکر آتا ہے، وہاں قرآن مجید میں اہتمام کے ساتھ ’رسول‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اس لفظ کو اصطلاحی معنی دینا چاہتا ہے۔ اس اہتمام کی مثالیں قرآن میں جگہ جگہ دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً سورۂ اعراف میں نمایاں طور پر اس کا اہتمام ہوا ہے۔ مزید یہ کہ ایسے ہی بیان کے موقع پر ’نبی‘ کا لفظ اگر استعمال ہوا بھی ہے تو اس کے ساتھ ’اَرۡسَلَ‘ کا فعل استعمال کرنے کا التزام ہوا ہے جو اسے رسول کے معنی میں متعین کر دیتا ہے، مثلاً درج ذیل آیت دیکھیے:

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ. (الزخرف۴۳: ۶-۸)

’’ہم نے اگلوں میں بھی کتنے ہی نبی رسول بنا کر بھیجے۔ تاہم جو نبی بھی اُن کے پاس آتا، وہ اُس کا مذاق ہی اڑاتے تھے۔ پھر ہم نے اُن کو کہ (تمھارے) اِن (منکروں) سے کہیں زیادہ زور والے تھے، ہلاک کر ڈالا اور اگلوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔‘‘

اس آیت میں 'اَرۡسَلَ' کا ترجمہ صرف 'بھیجا' کرنے کے بجائے 'رسول بنا کر بھیجا' کیا گیا ہے۔ فعل کا یہ استعمال لغت میں موجود ہے۔ اس استعمال کی ایک مثال سورۂ نحل کی درج ذیل آیت میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جس میں آدمیوں کو رسول بنا کر بھیجنے کا مفہوم واضح ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ. (النحل ۱۶: ۴۳)

''تم سے پہلے بھی ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔''

امام رازی کا قول اوپر گزر چکا کہ وہ بھی 'اَرۡسَلَ' کے فعل کے اس استعمال کو ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ فِي مَوۡضِعٍ آخَرَ: 'وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِی الۡاَوَّلِيۡنَ' (الزخرف ۶:)، وَ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ كَانَ نَبِيًّا، فَجَعَلَهُ اللّٰه مُرۡسَلًا. (مفاتیح الغیب ۲۳۶/۳)

''اللہ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ 'وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِی الۡاَوَّلِيۡنَ' (الزخرف ۶:) اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ نبی تھے اور پھر اللہ نے انھیں رسول بنا کر بھیجا۔''

اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں نبی کے ساتھ 'اَرۡسَلَ' کا فعل آیا ہے، وہاں بھی نبی سے مراد رسول ہی ہے۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جن پیغمبروں کے دعوت کے نتیجے میں وہ تمام مراحل پیش نہیں آئے جو رسولوں کی دعوت کے نتیجے میں سامنے آئے، وہ نبی تھے۔ اگر ان کے لیے 'رسول' کا لفظ آیا بھی ہے تو وہ لفظی معنی میں آیا ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ وہاں انذار، اتمام حجت، اور دنیوی عذاب کا ذکر نہیں آتا۔ مثلاً یوسف علیہ السلام کو رسول کہا گیا، لیکن انذار، حجت اور دنیوی عذاب کا کوئی ذکر نہیں آیا:

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ. (المؤمن ۴۰: ۳۴)

''اس سے پہلے یوسف بھی تمھارے پاس (اِسی طرح) نہایت واضح دلائل کے ساتھ آئے تھے تو جو باتیں وہ تمھارے پاس لے کر آئے تھے، اُن کی طرف سے تم شک ہی میں پڑے رہے، یہاں تک کہ جب اُن کی وفات ہو گئی تو تم نے کہہ دیا کہ (یہ بھی رسول نہیں تھے اور) اللہ اِن کے بعد بھی (ہماری طرف) ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اللہ اِسی طرح اُن لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھے ہوئے اور شک میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پڑے ہوتے ہیں۔‘‘

ایک اعتراض

یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں اسمٰعیل علیہ السلام کو نبی کے علاوہ رسول بھی کہا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کے علاوہ رسول بھی تھے، لیکن ان کے ساتھ کسی انذار، اتمام حجت اور دنیوی عذاب کا ذکر نہیں:

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا. (مریم ۱۹:۵۴)

’’اور اِس کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔‘‘

معلوم ہونا چاہیے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی سرگذشت کا تفصیلی تذکرہ قرآن مجید میں نہیں کیا گیا، جیسا کہ ابراہیم کی دعوت کے بھی تمام مراحل کا ذکر نہیں کیا گیا، حالاں کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ دیگر رسولوں کی طرح ابراہیم کے انذار کے بعد، ان کی منکر قوم پر بھی جزاوسزا کا آخری مرحلہ، یعنی دنیوی عذاب آیا تھا، اس لحاظ سے ابراہیم بھی رسول تھے:

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ. (التوبہ ۹:۷۰)

’’کیا انھیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو اِن سے پہلے گزرے ــــــ نوح کی قوم، عاد وثمود، ابراہیم کی قوم، مدین والوں اور اُن بستیوں کی خبر جنھیں الٹ دیا گیا۔ اُن کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ سو ایسا نہ تھا کہ اللہ اُن پر ظلم کرتا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لیکن ابراہیم کی قوم پر عذاب کی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ دراصل، قرآن تاریخ بیان کرنے کی کتاب نہیں، اس کا مقصد، انذار وتذکیر ہے۔ اس نے عربوں کے لیے ان اقوام کی سرگذشت کو چنا، جن کی تاریخ اور مقاماتِ رہایش سے وہ واقف تھے، اپنے اسفار کے دوران ان کے کھنڈرات اور آثار ان کے مشاہدے میں آتے رہتے تھے۔ جب کہ ابراہیم کی قوم پر آنے والے عذاب کے آثار مفقود ہو چکے تھے۔ نیز، جن واقعات میں قریش کے حالات کے لحاظ سے تذکیر کے پہلو زیادہ نمایاں تھے، ان کو اختیار کیا گیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کے قصے کی نوعیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے پیش آنے والے معاملات سے مختلف تھی، آپ کی قوم مخالفت اور مقابلے پر کھڑی ہو گئی تھی، اس لیے ان کو ان اقوام کے قصے تفصیل سے سنائے گئے جو اپنے انکار کی وجہ سے عذاب کا شکار ہوئے۔ جب کہ اسمٰعیل کے معاملے میں یہ ہوا ان کی قوم، یعنی اس وقت کے عرب لوگ بلا حیل و حجت ان کی دعوت قبول کر کے

ایمان لے آئے تھے، اس لیے ان کے قصے میں قریش کے کفار کے لیے زیادہ عبرت کا سامان نہیں تھا۔

اسمٰعیل علیہ السلام کی مخاطب قوم کے بلاحیل وحجت ایمان لانے کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور ان کے اتمام حجت کا شہرہ، فلسطین سے لے کر عرب اور سارے مشرقِ وسطیٰ میں پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی ان کے فرزند، اسمٰعیل کی طرف سے دین کی دعوت ان کے سامنے آئی، انھوں نے قبول کر لی۔ نیز، اسمٰعیل ہی کی بدولت، زم زم کے چشمے کی وجہ سے اس بے آب وگیاہ صحرا میں سامان زندگی پیدا ہو گیا تھا، یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ عربوں کو اس معجزہ اور اس نعمت کی وجہ سے ایمان لانے کی مزید ترغیب ملی ہو۔ بہرحال وہ بلاحیل وحجت ایمان لے آئے اور سزا اور عذاب کے مراحل پیش نہیں آئے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل ساری زندگی اپنی قوم کے تزکیہ اور تطہیر میں مصروف رہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا. (مریم ۱۹: ۵۵)

''وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کرتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔''

یہاں ایک اعتراض یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یونس کے علاوہ کسی اور قوم نے ایمان قبول نہیں کیا:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ. (۱۰: ۹۸)

''سو ایسا کیوں نہ ہوا کہ قوم یونس کے سوا کوئی اور بستی بھی ایمان لاتی، پھر اُس کا ایمان اُسے نفع دیتا۔ جب اُس بستی کے لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب اُن سے ٹال دیا تھا اور ایک مدت کے لیے اُن کو رہنے بسنے کا موقع دیا تھا۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسمٰعیل علیہ السلام کی قوم نے ایمان قبول کر لیا تھا تو اس آیت میں ان کا ذکر بھی آنا چاہیے تھا کہ وہ قوم یونس کے علاوہ قوم اسمٰعیل بھی ایمان لائے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت یہ نہیں بتا رہی کہ قوم یونس کے علاوہ کوئی قوم بھی ایمان نہیں لائی، بلکہ آیت یہ بیان کر رہی ہے کہ کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جو اتمام حجت کے اس مرحلے پر ایمان لائی ہو، جب عذاب کا کوڑا ان کے سر پر منڈلانے ہی والا تھا۔ یعنی جس مرحلے پر اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پہنچ گئی تھی۔ مذکورہ آیت میں کفارِ مکہ کی تنبیہ کے لیے یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس مقام سے سوائے قوم یونس کے کوئی قوم واپس نہیں آئی تو کیا تم بھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس حد تک جانا چاہتے ہو، جس کے بعد تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوم یونس کے مشاہدۂ عذاب کے بعد، آیا ہوا عذاب واپس کیسے پلٹ گیا، یہ خدا کے اس ضابطے کے خلاف ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا. (النساء۴:۱۸)

''اُن لوگوں کے لیے کوئی توبہ نہیں ہے جو گناہ کیے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جاتا ہے، اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ (اسی طرح) اُن کے لیے بھی توبہ نہیں ہے جو مرتے دم تک منکر ہی رہیں۔ یہی تو ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فرعون کا ایمان لانا اسی لیے قبول نہیں کیا گیا تھا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (یونس۱۰:۹۰)

''بنی اسرائیل کو، (اس کے بعد) ہم نے سمندر پار کرایا تو فرعون اور اُس کے لشکروں نے سرکشی اور شرارت کی راہ سے اُن کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا: میں نے مان لیا کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔''

اس پر عرض ہے کہ تفسیری روایات میں جس اسلوب میں یونس کی قوم پر عذاب کا آنا بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ غلط تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ کر ایمان قبول کیا تھا۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ قوم یونس پہلے ایمان لائی اور پھر آنے والا عذاب ٹلا، نہ کہ عذاب آ چکا تھا اور پھر وہ ایمان لائی تو ٹلا۔ یعنی عذاب ابھی آیا ہی نہیں تھا۔ قرآن کے الفاظ دیکھیے:

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. (یونس۱۰:۹۸)

''جب اُس بستی کے لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب اُن سے ٹال دیا تھا۔''

بائیبل کا بیان بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ یونس نے اپنی قوم کو ۴۰ روز کے بعد عذاب آنے کی وعید سنائی تھی،

جس پر ان کی قوم نے آہ وزاری کی اور ایمان قبول کر لیا:

''اور یوناہ شہر میں داخل ہوا اور ایک دن کی راہ چلا۔ اس نے منادی کی اور کہا کہ چالیس روز کے بعد نینوا برباد کیا جائے گا۔ تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر ایمان لاکر روزہ کی منادی کی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب نے ٹاٹ اوڑھا۔''

(یوناہ ۳: ۴-۶)

اس لیے درست اسلوب وہی ہے جو قرآن اور بائیبل میں بیان ہوا ہے کہ عذاب کی دھمکی ملنے کے بعد جب وہ ایمان لے آئے تو آنے والا عذاب پلٹ گیا، نہ کہ آیا ہوا عذاب پلٹا۔

چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قوم کے ایمان لانے کا معاملہ اس طرح پیش نہیں آیا جیسا یونس کی قوم کے ساتھ پیش آیا، اس لیے ان کا ذکر اس آیت میں نہیں آیا۔

ایک اشتباہ

بعض حضرات کو سورۂ نساء کی آیات ۱۶۳ تا ۱۶۵ سے اشتباہ ہوا ہے، جس میں، بقول ان کے، تمام پیغمبروں کو پہلے انبیا اور پھر رسول کہا گیا ہے اور اتمام حجت کا ضابطہ بھی ساتھ ہی بیان ہوا ہے، اس بنا پر 'رسول' کے بارے میں قرآنِ مجید میں رسول کا وہ خصوصی استعمال کا بیان کردہ اصول درست نہیں، نیز اسی بنا پر وہ آیت ۱۶۵ میں مذکور اتمامِ حجت سے دنیوی نہیں، بلکہ آخرت میں حجت کا تمام ہونا مراد لیتے ہیں۔ آیات ملاحظہ کیجیے:

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ كَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۚ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَكۡلِیۡمًا ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا.

(النساء ۴: ۱۶۳-۱۶۵)

''اے محمد، ہم نے تمھاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے، جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی ہم نے داؤد کو زبور دی۔ ہم نے اُن رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اِس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور اُن رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا ہم نے موسیٰ سے اِس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ

اُن کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے
مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب
رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔''

ان آیات پر اگر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ تو درست ہے کہ آیت ۱۶۳ میں مذکور انبیا میں سے کچھ اصطلاحی انبیا ہیں اور کچھ اصطلاحی رسول ہیں، اور یہاں دونوں کو نبی کہا گیا ہے، لیکن یہ لفظی معنی کے اعتبار سے ہے۔ آگے دیکھیے کہ آیت ۱۶۴ میں رسولوں کا ذکر الگ سے لایا گیا ہے، جس کے بعد ہی اتمامِ حجت کا ذکر آتا ہے۔ رسولوں کا ذکر الگ ہونے کا قرینہ 'و' عاطفہ ہے، جو مغایرت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ 'و' انبیا کے عموم سے رسولوں کے خصوص کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے۔ اس 'و' کا عطف 'اَوْحَيْنَا' پر ہے، یعنی مراد یہ ہے کہ یہ وحی ہم نے تمام پیغمبروں پر کی اور یہی وحی ہم نے رسولوں پر بھی کی۔ اس سے رسولوں کی الگ حیثیت متعین ہو رہی ہے۔ اگر آیت ۱۶۴ میں 'رُسُلاً' سے مراد گذشتہ آیت ۱۶۳ میں مذکور انبیا ہی ہوتے تو حرف 'و' لانے کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ اس سے اگلی آیت ۱۶۵ میں 'رُسُلاً' دوبارہ لایا گیا تو حرف 'و' نہیں لایا گیا، کیونکہ یہ 'رُسُلاً'، گذشتہ آیت ۱۶۴ میں مذکور رسولوں ہی کو بیان کر رہا ہے۔

اب جب کہ یہ طے ہو جاتا ہے، رسولوں سے یہاں اصطلاحی رسول مراد ہیں تو آیت ۱۶۵ میں 'لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ' (تاکہ لوگوں کے لیے اِن رسولوں کے بعد اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہ رہے) میں مذکور اتمامِ حجت سے رسولوں کا اپنی اقوام پر دنیوی اتمام حجت مراد لینے سے کوئی چیز مانع نہیں رہی۔ تاہم، اس سے آخرت کا اتمامِ حجت بھی مراد لینے سے معنی میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ آخرت میں بھی ان پر حجت اسی بنا پر تمام ہو گی کہ ان پر اس دنیا میں حجت تمام ہوئی تھی۔

عذاب صرف بڑے شہروں میں آئے

رسولوں کی یہ بعثت اور یہ دنیوی عذاب اپنے وقت کے بڑے شہروں، جیسے دارالحکومتوں وغیرہ میں آتے تھے۔ ہر ہر شہر میں یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا

''حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار اِن بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں تھا، جب تک اِن کے مرکز میں کسی

مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ.

(القصص ۲۸:۵۹)

رسول کو نہ بھیج لے جو ہماری آیتیں اِنھیں پڑھ کر سنا دے۔ اِس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم بستیوں کو اُسی وقت ہلاک کرتے ہیں، جب اُن کے لوگ اپنے اوپر ظلم ڈھانے والے بن جاتے ہیں۔‘‘

چنانچہ قرآن مجید میں جہاں ایسے مواقع بیان میں ’قریہ‘ کا لفظ بھی آیا ہے تو اس سے مراد بڑی بستی یا بڑا شہر ہی ہے، کیونکہ ’قریہ‘ کا لفظ بڑے شہروں کے لیے مستعمل ہے۔

حتمی دنیوی عذاب سے پہلے چھوٹے تنبیہی عذاب آتے ہیں

حتمی دنیوی عذاب جسے قرآن نے عذابِ اکبر بھی کہا ہے، سے پہلے رسول کی مخاطب قوم پر چھوٹے تنبیہی عذاب آتے ہیں:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ.

(السجدہ ۳۲:۲۱)

’’اِس بڑے عذاب سے پہلے ہم کسی قریب کے عذاب کا مزہ بھی اُن کو ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔‘‘

فرعون اور اس کی قوم پر غرق ہونے کے حتمی عذاب سے پہلے متعدد چھوٹے چھوٹے عذاب آئے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ. (الاعراف ۷:۱۳۳)

’’سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ مگر وہ تکبر کرتے رہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ مجرم لوگ تھے۔‘‘

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر بھی اسی طرح کئی چھوٹے تنبیہی عذاب آئے، مثلاً:

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(الرعد ۱۳:۳۱)

’’(تم دیکھتے رہو)، اِن منکروں پر برابر کوئی نہ کوئی آفت اِن کے اعمال کی پاداش میں آتی رہے گی یا اِن کی بستی کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خلاف ورزی نہ کرے گا۔‘‘

اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ. (التوبہ۹:۱۲۶)

’’کیا وہ نہیں دیکھتے کہ سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ وہ آزمایش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں، نہ یاددہانی حاصل کرتے ہیں۔‘‘

جزاوسزا

ہر رسول اپنی دعوت کے نتیجے میں درج ذیل مراحل سے گزرا:

انذار

پہلے مرحلے میں رسول اپنے قریبی لوگوں، قوم کے سرداروں اور رشتہ داروں کو مخاطب بناتا ہے۔ جاوید احمد غامدی صاحب اپنی کتاب ’’میزان‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’یہ اِس دعوت کا پہلا مرحلہ ہے۔ ’’انذار‘‘ کے معنی کسی برے نتیجے سے لوگوں کو خبردار کرنے کے ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول اپنی قوم کو ہمیشہ دو عذابوں سے خبردار کرتے رہے ہیں: ایک وہ جس سے اُن کے منکرین قیامت میں دوچار ہوں گے اور دوسرا وہ جو اُن کی دعوت کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرنے والوں پر اِسی دنیا میں نازل ہوگا۔ وہ اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ وہ زمین پر ایک قیامت صغریٰ برپا کر دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ خدا کی حجت جب اُن کی دعوت سے پوری ہو جائے گی تو اُن کی قوم کو اپنی سرکشی کا نتیجہ لازماً اِسی دنیا میں دیکھنا ہوگا۔ قرآن کے چھٹے باب میں سورۂ قمر اِس انذار کی بہترین مثال ہے۔ اُس میں رسولوں سے متعلق اپنی سنت کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے بڑی تہدید کے اسلوب میں فرمایا ہے: ’اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ‘ (۵۴: ۴۳) (کیا تمھارے یہ منکر اُن سے کچھ بہتر ہیں یا اِن کے لیے صحیفوں میں کوئی معافی لکھی ہوئی ہے)؟... اِس انذار کو چونکہ اِس دنیا میں لازماً ایک حتمی نتیجے تک پہنچنا ہوتا ہے، اِس لیے اِس میں اصلاً اُنھی لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے اپنی قوم میں اثر ورسوخ رکھتے ہوں۔‘‘ (۵۳۴)

انذارِ عام

اس مرحلے میں رسول، دین وایمان کی دعوت علی الاعلان پوری قوم کو دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ

’’اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے، اٹھو اور انذار عام

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرُ وَالرُّجۡزَ فَاهۡجُرُ وَلَا تَمۡنُنُ تَسۡتَكۡثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصۡبِرُ. (المدثر ۷۴: ۱-۷)

کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے پروردگار ہی کی بڑائی بیان کرو اور اپنے دامن دل کو پاک رکھو اور شرک کی اِس غلاظت سے دور رہو اور دیکھو اپنی سعی کو زیادہ خیال کر کے منقطع نہ کر بیٹھو اور اپنے پروردگار کے فیصلے کے انتظار میں ثابت قدم رہو۔''

اتمامِ حجت

اس مرحلے پر دعوت اپنے تمام دلائل و براہین کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے اور مخاطبین کے پاس انکار کا کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ تیسرا مرحلہ ہے۔ اِس تک پہنچنے میں حقائق اِس قدر واضح ہو جاتے ہیں کہ مخاطبین کے پاس کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی چیز ہے جسے اصطلاح میں اتمام حجت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہ اِس طرح مبرہن ہو جائے کہ ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کے سوا کوئی چیز بھی آدمی کو اُس کے انکار پر آمادہ نہ کر سکے۔ اِس میں ظاہر ہے کہ خدا کی دینونت کے ساتھ اسلوب، استدلال، کلام اور پیغمبر کی ذات وصفات اور علم وعمل، ہر چیز موثر ہوتی ہے، یہاں تک کہ معاملہ کھلے آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اِس موقع پر پیغمبر اپنے مخاطبین کا انجام بھی بڑی حد تک واضح کر دیتا ہے اور دعوت میں بھی بالکل آخری تنبیہ کا لب ولہجہ اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ فیل اور سورۂ قریش میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اِسی مرحلۂ اتمام حجت کے اختتام پر نازل ہوئی ہیں، یہ دونوں چیزیں بہت نمایاں ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ؟ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِيۡ تَضۡلِيۡلٍ؟ وَّاَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ؟ تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ، فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ. (۱۰۵: ۱-۵)

''تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اُن کی چال کیا اُس نے اکارت نہیں کر دی؟ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے مسلط نہیں کر دیے؟ (اِس طرح کہ) تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا اور اُس نے اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔'' (میزان ۵۳۸)

ہجرت وبراءت

اس موقع پر رسول کو خدا کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی منکر قوم کو چھوڑ کر مومنین کے ساتھ اس بستی سے نکل

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جائے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ چوتھا مرحلہ ہے۔ اللہ کے پیغمبر جب تبلیغ کا حق بالکل آخری درجے میں ادا کر دیتے ہیں اور حجت تمام ہو جاتی ہے تو یہ مرحلہ آ جاتا ہے۔ اِس میں قوم کے سرداروں کی فرد قرارداد جرم بھی پوری وضاحت کے ساتھ اُنھیں سنا دی جاتی ہے اور یہ بات بھی بتا دی جاتی ہے کہ اُن کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا۔ لہٰذا اب اُن کی جڑیں اِس زمین سے لازماً کٹ جائیں گی۔ اِس کے ساتھ پیغمبر کو بھی بشارت دی جاتی ہے کہ نصرت خداوندی کے ظہور کا وقت آ پہنچا۔ وہ اور اُس کے ساتھی اب نجات پائیں گے اور جس سرزمین میں وہ کمزور اور بے بس تھے، وہاں اُنھیں سرفرازی حاصل ہو جائے گی۔ اِس لیے اپنی قوم کی تکفیر اور اُس کے عقیدہ و مذہب سے بے زاری کا اعلان کر کے وہ اب اُسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔'' (میزان ۵۳۹)

سورۃ الکافرون اسی مرحلے کا بیان ہے:

''قُلۡ: یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ، لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ، وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ، وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ، وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ. لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ. (الکافرون ۱۰۹: ۱-۶)

''تم اعلان کرو، (اے پیغمبر) کہ اے کافرو، میں اُن چیزوں کی عبادت نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم کبھی (تنہا) اُس کی عبادت کرو گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ اِس سے پہلے کبھی میں اُن چیزوں کی عبادت کے لیے تیار ہوا جن کی عبادت تم نے کی اور نہ تم (تنہا) اُس کی عبادت کے لیے کبھی تیار ہوئے جس کی عبادت میں کرتا رہا ہوں۔ (اِس لیے اب) تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔'''' (میزان ۵۴۰)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جزا و سزا

'جزا و سزا' کے آخری مرحلے کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ آخری مرحلہ ہے۔ اِس میں آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے، خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا ہے اور پیغمبر کی قوم کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے۔ پیغمبروں کے انذار کی جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر بالعموم دو ہی صورتیں پیش آتی ہیں: ایک یہ کہ پیغمبر کے ساتھی بھی تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں اور اُسے کوئی دار الہجرت بھی میسر نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ وہ معتد بہ تعداد میں اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلتا ہے اور اُس کے نکلنے سے پہلے ہی کسی سرزمین میں اللہ تعالیٰ اُس کے لیے آزادی اور تمکن کے ساتھ رہنے بسنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ اِن دونوں ہی صورتوں میں رسولوں سے متعلق خدا کی وہ سنت لازماً روبہ عمل ہو جاتی ہے جو

قرآن میں اِس طرح بیان ہوئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ، اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ. كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ، اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلہ۵۸: ۲۰-۲۱)

’’بے شک، وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، وہی ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی۔ بے شک، اللہ قوی ہے، بڑا زبردست ہے۔‘‘‘ (میزان ۱۴۱ ۵)

چونکہ قانون اتمام حجت پر ہونے والے اعتراضات اور اشکالات کا محل ’جزا و سزا‘ کا آخری مرحلہ ہے، اس لیے ہم باقی مراحل کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ ان کی تفصیل، غامدی صاحب کی کتاب ’’میزان‘‘، ان کے دیگر مضامین اور خطبات سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

[باقی]

’’...روزہ انسان کو صبر کی تربیت دیتا ہے۔ بلکہ صبر کی تربیت کے لیے اِس سے بہتر اور اِس سے زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ شاید نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم جس امتحان سے دوچار ہیں، اُس کی حقیقت اِس کے سوا کیا ہے کہ ایک طرف ہمارے حیوانی وجود کی منہ زور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اُس کے حدود میں رہ کر زندگی بسر کریں؟ یہ چیز قدم قدم پر صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سچائی، دیانت، تحمل، بردباری، عہد کی پابندی، عدل و انصاف، عفو و درگذر، منکرات سے گریز، فواحش سے اجتناب اور حق پر استقامت کے اوصاف نہ ہوں تو تقویٰ کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور صبر کے بغیر یہ اوصاف، ظاہر ہے کہ آدمی میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔‘‘

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۰)

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

البیان

قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر

جاوید احمد غامدی

تراجم کی تاریخ کا پہلا ترجمہ قرآن جس میں ترجمے ہی سے قرآن کا نظم واضح ہو جاتا ہے اور مزید کسی شرح و وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

قیمت

7700 روپے (ہارڈ بائنڈنگ)   3000 روپے (پیپر بائنڈنگ)

المورد
Al-Mawrid

المورد ادارۂ علم و تحقیق

For ordering our books, CDs and DVDs, please send us email at

info@al-mawrid.org

www.al-mawrid.org

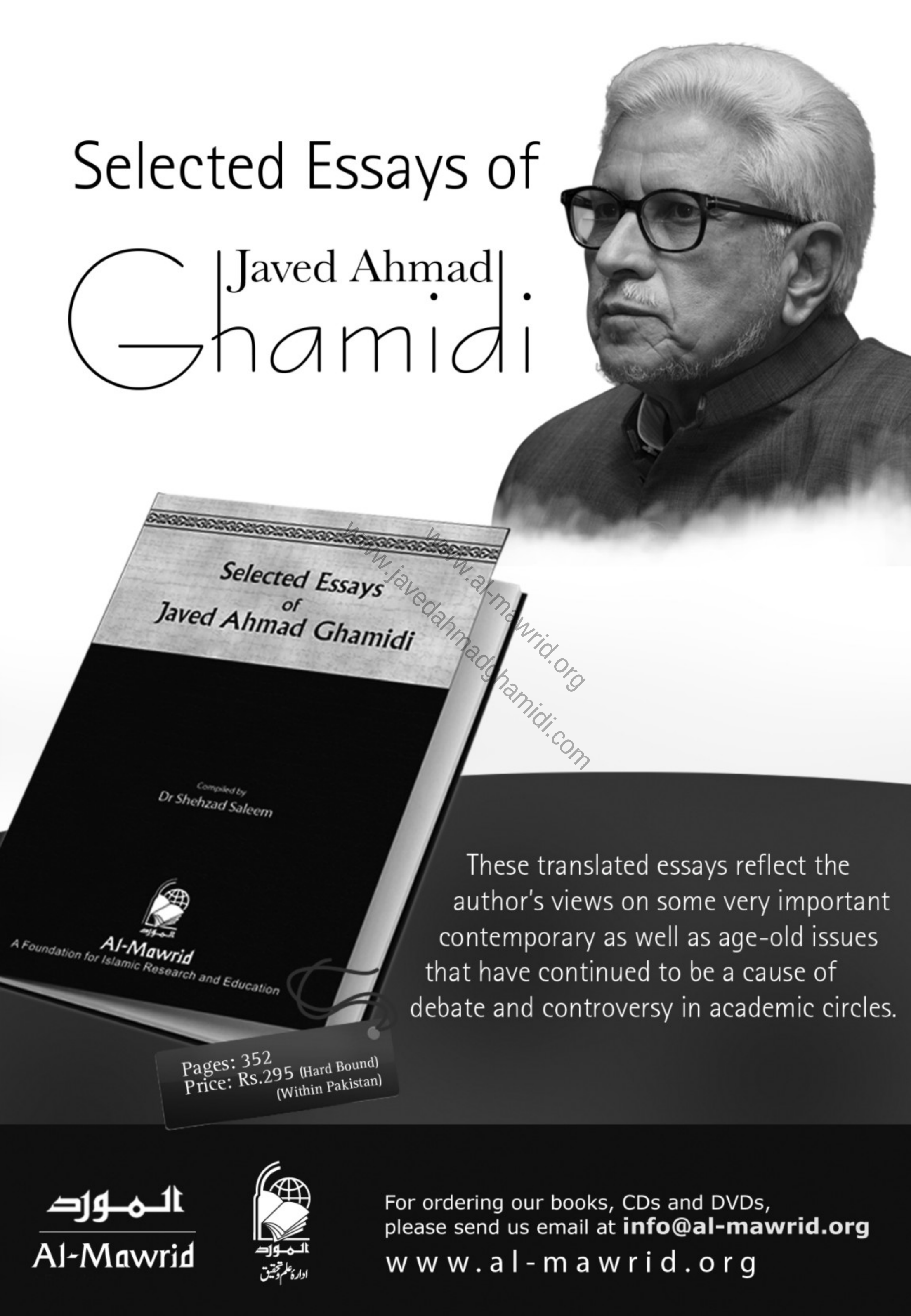
Selected Essays of
Javed Ahmad
Ghamidi
Selected Essays
of
Javed Ahmad Ghamidi
Compiled by
Dr Shehzad Saleem
Al-Mawrid
A Foundation for Islamic Research and Education
www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
These translated essays reflect the author's views on some very important contemporary as well as age-old issues that have continued to be a cause of debate and controversy in academic circles.
Pages: 352
Price: Rs.295 (Hard Bound)
(Within Pakistan)
المورد
Al-Mawrid
المورد
ادارۂ علم وتحقیق
For ordering our books, CDs and DVDs,
please send us email at info@al-mawrid.org
www.al-mawrid.org

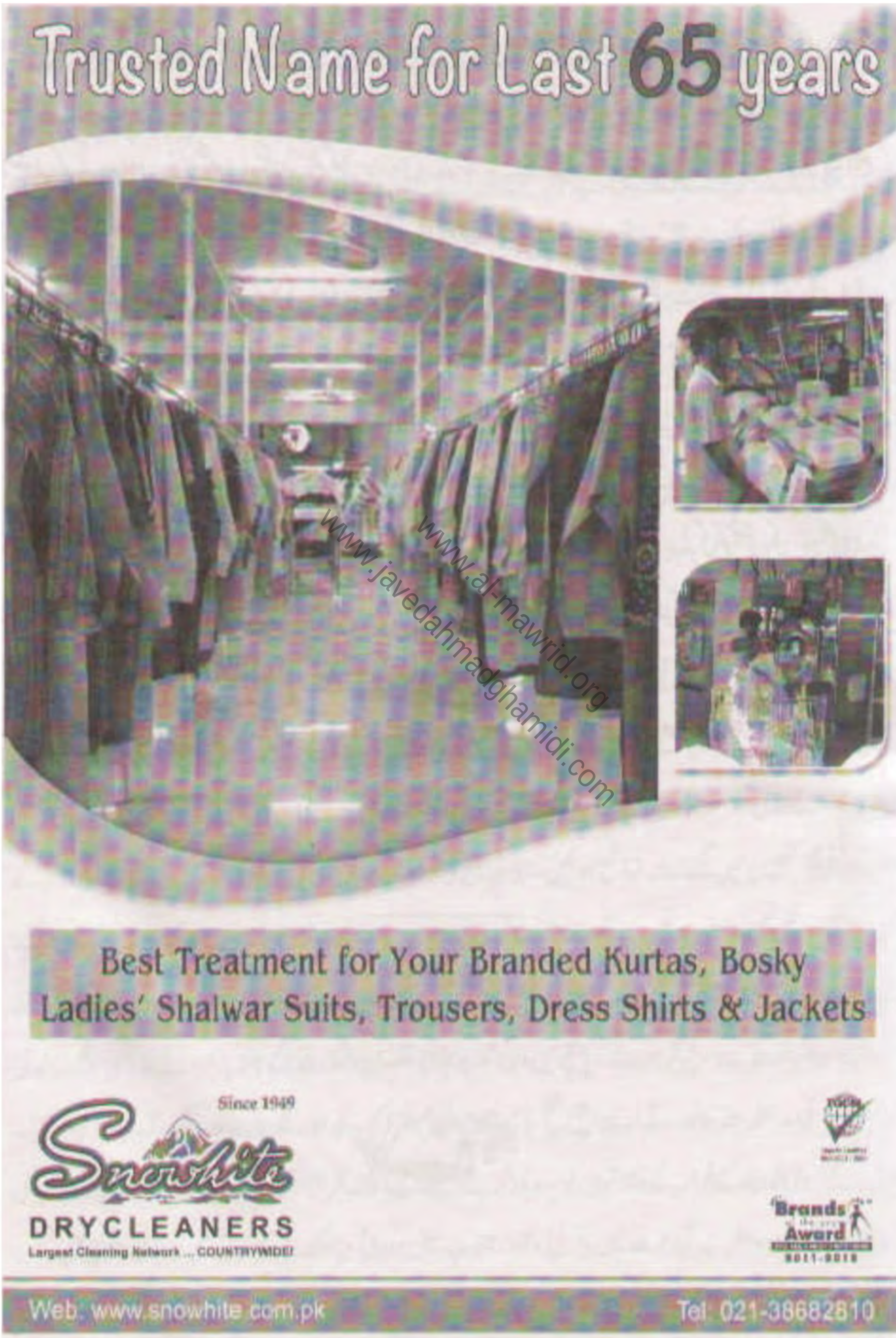

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Monthly
ISHRAQ
Lahore

June 2017
Vol.29 No.6
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

لئن شکرتم لأزیدنکم
اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا (القرآن)

PRAISE BE TO ALLAH, LORD OF THE WORLDS

Ar-Rahman Campus-JHELUM
Outside Classroom Education
Inter-Campus Transfer
Sahl Campus-SHAHKOT
Al-Fajar Campus-LAHORE
Ghazi Campus-OKARA
Rehman Campus-GUJRANWALA
Pak Campus-LAHORE
Web Portal
Parent-Teacher Meetings
Harbanspura Classic Campus-LAHORE
Sialkot Campus-SIALKOT
Al-Miraj Campus-LAHORE
Sibling Discount
Sir Syed Campus-LAHORE
Capital Campus-ISLAMABAD
Ellahabad Campus-ELLAHABAD
Cantt Campus-GUJRANWALA
Ferozpur Road Campus-LAHORE
Raiwand Road Campus-LAHORE
Sargodha Road Campus-FAISALABAD
Farooqabad Campus-FAROOQABAD
Jhelum Campus-JHELUM
Marrium Campus-JOHARABAD
Spoken English
Character Building
Grace Campus-LAHORE
Gojra Campus-GOJRA
Lodhran Campus-LODHRAN
Bhimber Campus-BHIMBER
Shakargarh Campus-SHAKARGARH
Standardized Curriculum
Shahlimar Campus-FAISALABAD
Sahiwal Campus-SAHIWAL
Entry Test Preparation
DC Road Campus-GUJRANWALA
Ali Pur Chattah Campus-ALI PUR CHATTAH
Al-Ahmad Campus-LAHORE
Bahawalpur Campus-BAHAWALPUR
Mock Assessment
Educational Insurance
Tulip Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-GUJRANWALA
Bilal Campus-BHALWAL
Professional Development of Teachers
Zafarwal Campus-ZAFARWAL
Attendance by SMS

150+ within 250 days keep counting...

ALLIED SCHOOLS
Project of Punjab Group of Colleges

Concept-Based Teaching
Wapda Town Campus-GUJRANWALA
Exclusive Early Years Education
Burewala Campus-BUREWALA
Husnain Campus-SAMBRIAL
Bedian Campus-LAHORE
Peshawar Road Campus-RAWALPINDI
Gulshan-e-Ravi Campus-LAHORE
Samanabad Campus-LAHORE
Sadar Campus-LAHORE

Allied Pre School
Allied School
19 85
Project of PGC

Growing Together

Satellite Town Campus-RAWALPINDI
GT Road Campus-GUJRANWALA
Kamalia Campus-KAMALIA
Extra & Co-curricular Activities
Ar-Raheem Campus-DINA
Walton Campus-LAHORE
Johar Town Campus (South)-LAHORE
Merit Scholarships
Career-Path Counseling
Akbar Campus-VEHARI
Hyderabad Campus-HYDERABAD
Samanabad Campus-FAISALABAD
Chauburji Campus-LAHORE
Sargodha Campus-SARGODHA
Kamoke Campus-KAMOKE
Dunyapur Campus-DUNYAPUR
Peoples Colony Campus-FAISALABAD
Hafizabad Campus-HAFIZABAD
Chichawatni Campus-CHICHAWATNI
Wazirabad Campus-WAZIRABAD
Subhan Campus-PATTOKI
PECO Road Campus-LAHORE
Art, Craft & Music
Allama Iqbal Town Campus-LAHORE
International Standards
Peoples Colony Campus-GUJRANWALA
Kasur Campus-KASUR
Al-Fateh Campus-KOT ABDUL MALIK
Dinga Campus-DINGA
Johar Town Campus (North)-LAHORE
Kotla Campus-KOTLA ARAB ALI KHAN
Thana Campus-MALAKAND AGENCY
Ahmed Campus-RAHIM YAR KHAN
Faisalabad Campus-FAISALABAD
Muridke Campus-MURIDKE
Salaar Campus-RAWALPINDI
Swat Campus-SWAT
Lalamusa Campus -LALAMUSA
Madina Campus-FAISALABAD
Teaching through Animation
Fatima Campus-DASKA
Adyala Campus-RAWALPINDI
Oasis Campus-BAHAWALPUR
Taunsa Campus Campus-TAUNSA SHARIF
Rahim Yar Khan Campus-RAHIM YAR KHAN
English Medium
Mumtaz Campus-MULTAN
Health & Hygiene Guidance
Narowal Campus-NAROWAL
Jinnah Campus-NOWSHERA VIRKAN
Jalal Pur Jattan Campus-JALAL PUR JATTAN
Bukhtiyari Campus-LAHORE
Malakwal Campus-MALAKWAL
Sadiqabad Campus-SADIQABAD
DG Khan Campus-DERA GHAZI KHAN
Gujrat Campus (South)-GUJRAT
Mirpur Campus-MIRPUR AZAD KASHMIR
Playgroup to University Education
Qusid Campus-TOBA TEK SINGH
Model Town Campus-GUJRANWALA
Mandi Bahauddin Campus-MANDI BAHAUDDIN
Mouaz Campus-MANANWALA
Al-Ghaffar Campus-SARA-E-ALAMGIR
Chanab Campus-PARHIANWALI
Bhakkar Campus-BHAKKAR
Qila Didar Singh Campus-QILA DIDAR SINGH
Zaimas Campus-SHEIKHUPURA
Hujra Shah Muqeem Campus-HUJRA SHAH MUQEEM

Group Corporate Office, Allied Schools & Punjab Colleges, 64-E-I, Gulberg III, Lahore - Pakistan. Ph: 042 35756357-58.

www.alliedschools.edu.pk